P= 83(7)

30/11/88

Hindi Databes.

الحمد للہ کہ

مثنوی سحر البیان یعنی

مثنوی میر حسن

معروف (میر حسن)

بینظیر و بدر منیر

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

نول کشور پریس لکھنؤ میں چھپکر شایع ہوئی

۱۹۴۱ع

میر حسن

نام غلام حسن۔ حسن تخلص۔ دہلی کے خاص باشندے تھے۔ انکے جد امجد میر امامی اُسوقت وارد ہندوستان ہوئے۔ جب کہ شاہجہاں صاحبقران کا ستارہ اقبال آسمان پر چمک کر زوال کے قریب تھا۔ میر امامی یہیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوئے۔ یہ شہر ہرات کے سادات عظام کے خاندان سے تھے۔ اِن کے بیٹے میر عزیز اللہ اور اُن کے صاحبزادے میر غلام حسین ضاحک فارسی کے ذی رتبہ شاعر ہی نہ تھے بلکہ بڑے ظریف المزاج زندہ دل بھی مشہور تھے جن کی اپنے مشہور معاصر مرزا رفیع سودا سے ہمیشہ نوک جھوک ہوتی رہی۔ اُن کا کلام اگرچہ تلف ہو چکا۔ مگر ایک آدھ رباعی اور شعر تذکروں میں اب بھی باقی ہے۔ میر حسن اسی دریائے ذخار کے ایک گرامی گوہر تھے۔

میر حسن ۱۱۴۰ھ کو بمقام سیدواڑہ پرانی دلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں کتب درسیہ فارسی کی اپنے والد میر غلام حسین ضاحک سے تعلیم پائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُنھیں کے فیض صحبت سے شعر و شاعری کا ذوق بھی پیدا ہوا۔ اور یہیں خواجہ میر درد المتوفی ۱۱۹۹ھ کو اپنا کلام ابتدائی دکھانا شروع کیا چونکہ خاندان تیموریہ کی طاقت قریب قریب زائل ہو چکی تھی اور اب یہ خاندانی اقبال کا چراغ ٹمٹما کر قضا و قدر کے ایک تند جھونکے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسی لئے طوائف الملوکی خانہ جنگی بدامنی کا دور دورہ تھا بدنصیب دہلی اِن آفتوں

اور مصیبتوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اسیوجہ سے شرفا کو نہ وہاں اطمینان حاصل تھا اور نہ وہاں کی بودوباش کو وہ پسند کرتے تھے۔ جسکو جہاں کہیں امن وعافیت کی جھلک دکھائی دیتی۔ سیدھا اُدھر ہی کا رخ کرتا اور ہمیشہ کے لئے عمر بھر کی رفیق (دلی) کو الوداع کہہ کر سدھار جاتا۔ میر ضاحک کو بھی وقتی پریشانیوں نے فیض آباد جانے اور وہاں کے کارپردازِ کار فرماؤں کے فیض بیدریغ سے نفع اُٹھانے کے لئے مجبور کیا۔ میر حسن اپنے اختیار میں نہ تھے۔ پھر بھی وطن مالوف کو چھوڑنا۔ خواجہ میر درد جیسے استاد کی خدمت سے منھ موڑنا بڑا ہی گراں گزرا۔ مگر کرتے تو کیا کرتے۔ سنگ آمد وسخت آمد۔ ایک رباعی سنا کر اُستاد سے اجازت طلب کی رباعی سوز وگداز اور دلی جذبات سے بھری ہوئی ہے اور اگر انھیں کی ہے تو نہایت عمدہ ہے ؎

جاناں ز تو امید نگاہے داریم ماکشتۂ چشم سرمہ سایت ہستیم	امید نگاہے ز تو گاہے داریم نے نالۂ ونے فغاں نہ آہے داریم

اُسکے بعد فیض آباد آ گئے۔ اور یہاں انکا ایسا جی لگا کہ عمر بھر یاد رہا۔ چنانچہ جب فیض آباد سے لکھنؤ میں آئے تو لکھنؤ اور فیض آباد کا تقابل کرتے ہوئے کچھ اشعار مثنوی گلزارِ ارم میں لکھے ہیں۔ اور لکھنؤ کی فیض آباد کے مقابلہ پر بڑی ہجو کی ہے۔

فیض آباد میں نواب سالار جنگ بہادر برادر بہو بیگم صاحبہ کی سرکار میں ملازم ہوئے بعد ازاں اُن کے بیٹے مرزا نوازش علیخاں کی مصاحبت میں بھی رہے۔ ۱۷۷۵ء میں نواب آصف الدولہ نے لکھنؤ کو اپنا دار السلطنت قرار دیا تو یہ بھی فیض آباد سے لکھنؤ چلے آئے

اور یہیں کچھ دنوں کے قیام کے بعد سنہ ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا اور محلہ مفتی گنج مرزا قاسم علی خاں کے باغیچہ کے عقبی حصّہ میں مدفون ہوئے مصحفی نے اِن کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں	رو ازیں گلزار رنگ و بوتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی	شاعر شیریں بیان تاریخ یافت

میر حسن کی تاریخ وفات میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ مرزا علی لطف نے سنہ ۱۲۰۵ھ۔ اور نصیر حسین خیال مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں جو میر حسن کے متعلق اولڈ بوائے حیدر آباد جلد ۲ نمبر ۶ میں چھپا تھا سنہ ۱۱۴۱ھ لکھا ہے مصحفی کی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے اور انکے سنہ ولادت سنہ ۱۱۴۰ھ کو دیکھتے ہوئے یہ بالکل غلط ہے۔ اسیطرح سنہ ۱۲۰۵ھ بھی صحیح نہیں کیونکہ مصحفی سے میر حسن کے تعلقات تھے۔ اور مصحفی کو غلط سنہ تاریخ کی نظم کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اسیطرح انکی شاگردی کے متعلق بھی کچھ شبہات ہیں۔ گر حقیقت یہ ہے کہ پہلے خواجہ میر درد کے شاگرد تھے بعد کو میر ضیاء الدین ضیا سے اصلاح لی۔ مگر اُن کا طرز یا ان کو پسند ہی نہیں آیا۔ اور یا نبھ نہ سکا۔ بہر حال پھر مرزا رفیع سودا کو بھی کلام دکھایا اور میر تقی میر کا بھی اتباع کیا۔ اتباع کا ثبوت اُن کے تذکرے سے ملتا ہے فرماتے ہیں "اصلاح سخن از میر ضیاء سلمہ گرفتہ ام از من کماحقہ سرانجام نیافت۔ بر قدم دیگر بزرگاں مثل خواجہ میر درد۔ و مرزا رفیع سودا و میر تقی میر پیروی نمودم۔

میر حسن کی علمی لیاقت زیادہ تر فارسی کی تھی عربی سے اُن کو چنداں لگاؤ نہ تھا۔ مگر اردو کے زبردست شاعر اور زبان کے ماہر تھے۔

شعر و شاعری کا ذوق ازلی تھا۔ ہمیشہ کچھ نہ کچھ کہتے رہتے تھے۔ اُن کا کلیات قلمی بعض جگہ موجود ہے۔ اور کچھ غزلیات کا حصّہ شایع بھی ہوگیا ہے اُسکے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعر کامل تھے۔ اور میر درد۔ میر تقی میر۔ مصحفی وغیرہ کے انداز میں اُن کو مہارت کامل حاصل تھی۔ جس کا مختصر نمونہ آگے چلکر ہم درج کریں گے۔

وہ آزاد مزاج۔ ہشاش و بشاش رہنے والے مرنجاں و مرنج لوگوں میں سے تھے۔ جلسوں میلوں اور دوستوں کی صحبت سے اُن کو فرصت نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی انکا ذوق سخن سنجی اور سلسلہ تصنیف وتالیف جاری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج اُنکی جو تصانیف ہم تک پہنچی ہیں وہ کچھ کم نہیں ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دیوان میر حسن وثوق کے ساتھ کہنا دشوار ہے کہ یہ دیوان میرحسن کی تمام وکمال غزلیات کا مجموعہ ہے۔ مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس سے زیادہ کہیں انکی غزلیات کا مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ تذکروں میں چند اشعار ملتے ہیں اُس سے ذوق تشنہ ہی رہتا ہے۔ بہرحال یہ دیوان ۱۴۴ صفحہ پر ہے جو نہایت عمدہ کاغذ پر نہایت صحت کے ساتھ مطبع ہذا میں طبع ہوا ہے۔

میرحسن کا انداز غزل گوئی متقدمین درد و میر سے زیادہ ملتا ہے۔ وہی سوز وگداز۔ وہی آشفتگی اور والہیت وہی برجستگی اور جاذبیت جو قدرت نے اُن دونوں کو ودیعت کی تھی وہ میرحسن کو بھی دی گئی ہے۔ اور نہ جاننے والا میر۔ اور درد کے کلام سے اُنکے کلام کو علیحدہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہنا زیادتی ہوگی کہ ان کے کلام میں ہر شعر نشتر و نشتر ہے

مگر اکثر کلام پر یہی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے لئے یہ چند شعر ملاحظہ کیجئے

جس عالم ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ
آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم تھا خزاں کا

اُٹھتے ہی دل جگر میں اک آگ سی لگا دی
خانہ خراب ہوئے اس نالۂ و فغاں کا

ساماں لے چلا ہے اندوہ کا یہیں سے
کیا جانئے ارادہ دل نے کیا کہاں کا

تیرا حسن یہ رونا یونہی اگر رہے گا
ظالم تو پھر کسی کا کاہے کو گھر رہے گا

جسجا پہ تمنے باتیں کیں تھیں کھڑے ہو اک دن
جب دیکھنا وہ جاگہ بے اختیار رونا

اس عشق میں جو قدم دھرے گا
جیتا نہ بچے گا وہ مرے گا

لکھنے کی یہاں نہ تاب پڑھنے کا وہاں دماغ
کہدینگے کچھ زبانی اگر نامہ بر چلا

روتے ہی گزرتی ہے شب و روز حسن کو
اور اس سے تو کیا حال بتر ہو ویگا یارب

رشک اُس مرغ چمن پر ہے کہ جو گل کے حضور
داستاں کہتے گیا جی سے گزر آخر شب

تو نہ کڑھ درد دل پہ میرے صنم
جی رہوں گا جو ہوگی میری حیات

شاہ ہو وے غلام کا بندا
کون پوچھے ہے عاشقی میں ذات

کس وقت میں بسا تھا الٰہی یہ ملک دل
صدمے ہی پڑتے رہتے ہیں نت اس دیار میں

دامن صحرا سے اُٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھکر

وہ نہ آیا ادھر حسن افسوس
رہ گیا انتظار رہی آخر

دل بچھڑ کر جو گیا اُس بت مغرور تلک
دیکھنے میں بھی گیا اُسکے تئیں دور تلک

غافل سمجھ کے پیجو جام شراب عشق
آخر کو کام پہنچے ہے اس کا خمار تک

کیا کہیں اپنا ہم نشیب و فراز
آسماں گاہ گہ زمیں ہیں ہم

نہ کسی کو کہیں نہ اپنی سنیں
نقش دیوار بوستاں ہیں ہم

بس وہی اک نالہ سنکر چپ رہا سو چپ رہا
اب بھی سنتے ہو مرے دل کی کہیں فریاد تم

اب تو غبار دل سے کہیں صاف کر گیا
باقی نہیں غبار بھی اس خاکسار میں

جو کچھ کہ میں خیال میں دیکھوں ہوں میں سحر
دیکھی نہ ہوگی سیر کسی نے یہ خواب میں

نے دود ہوں جگر کا نہ میں آہ کا شعلہ
میں نالۂ شبگیر ہوں اور آہ سحر ہوں

تڑپے تو تھا ابھی یہ کیوں رہ گیا تڑپ کر
کیا ہو گیا الٰہی اُس بیقرار دل کو

فریب وعدہ بس دیکھو کسی اور ہی کو اب جاکر
میاں ہم خوب سمجھے ہیں تمہارے عہد و پیماں کو

رو برو ہو نہ ایک تیغ فراق
اور غمزہ ہو یا کٹاری ہو

کہتا نہ تھا کہ ہر دم اُسکی گلی میں مت جا
اس بات کا اب آخر ہے چرچا حسنؔ ہر جا

ہم نہ تنہا اُس گلی سے جاں کو کھو کر اُٹھ گئے
سیکڑوں یاں زندگی سے ہاتھ دھو کر اُٹھ گئے

دیکھنے پائے نہ ہم اشکو نکالے پھر تر
تر گو یا سکے یہ شیشے جو بو کر اُٹھ گئے

ہے گرہ کیسی یہ غم کی اپنے دل میں اے حسن
ہمنے جوں جوں اس کو کھولا اور یہ محکم ہوئی

بس کہیں تھک بھی آسیائے فلک
ہو چکے سر سر ہم تو اب پس کے

تو ہی جب اپنے در سے دلوے اُٹھا
پھر کدھر جا کے کوئی سر پٹکے

یہاں تو سنتا ہی نہیں بات کسیکی کوئی
دل مرا مثل جرس کب تئیں فریاد کرے

بے اختیار اُٹھتی ہے بنیاد بیخودی
آتی ہے جب نظر تری دیوار دور سے

غرض کہ میر حسن کا عام رنگ یہی ہے کہ وہ درد و اثر سوز و گداز کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کرتے۔ اور انبساط کے مقابلے پر ہمیشہ اسکو ترجیح دیتے ہیں۔
تذکرہ شعرائے اردو میر حسن اسمیں متقدمین شعرا سے لیکر اپنے زمانے تک کے مشہور و غیر معروف شعراء کا تین طبقے کرکے ذکر کیا ہے۔ قریب قریب تین سو شعراء کا اسمیں ذکر ہے۔ کہیں کہیں بہت ہلکی سی تنقید بھی ہے۔ مگر زیادہ تر اپنے تمام معاصرین کو نہایت فراخدلی سے داد سخن دی ہے اور بہت خیر و خوبی سے یاد کرکے تھوڑا تھوڑا انتخاب کلام بھی دیدیا ہے اگرچہ سنہ تصنیف کا کہیں تذکرہ میں ذکر نہیں تاہم محققین کا خیال ہے کہ یہ ۱۱۹۱ یا ۱۱۹۲ سنہ ھ کی تصنیف ہے

تاریخ ادب اردو میں ۱۱۹۴ھ اور مقدمہ تذکرہ میں ۱۱۸۸ھ ۱۱۹۲ھ لکھا ہے یہ تذکرہ بھی شائع ہو چکا ہے تذکرے کے علاوہ اصنافِ سخن میں میر حسن کو جس صنف کا تاجدار اور واحد کار فرما مانا جاتا ہے وہ صنف مثنوی ہے۔ انکی تصنیف میں سے چھوٹی بڑی کئی مثنویاں ہیں جنہیں سب سے زیادہ مقبول یہی مثنوی سحر البیان ہے۔ مگر ہم اسپر آخر میں کچھ لکھیں گے۔ پہلے دوسری مثنویوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مثنوی رموز العارفین یہ مثنوی پہلے نایاب تھی مگر اب چھپ گئی ہے۔ اسمیں حضرت ابراہیم ادہم بادشاہ بلخ کے سلطنت کو چھوڑ کر درویشی اختیار کرنے کا حال نہایت مؤثر انداز میں لکھا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی ساتھ بزرگوں کی حکایات کو بر سبیل تمثیل پیش کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس جدت کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ دس بارہ مصرعوں کے بعد کسی مشہور و مقبول زمانہ صوفی شاعر کے وہ اشعار تضمین کئے ہیں جو معرفت اور اخلاق و نصائح سے کوئی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے دو ابتدائی شعر یہ ہیں۔

ہے سزاوار ثنا وہ کردگار ایک دانے سے عیاں خرمن کیا	جس نے کی وحدت سے کثرت آشکار ایک شعلے سے جہاں روشن کیا

یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعرانہ موشگافیوں کو اسمیں زیادہ دخل نہیں دیا ہے مگر چونکہ یہ سراسر تصوف اور حال و قال کے انداز میں لکھی گئی ہے اور اسپر جدت بندی کو ملحوظ رکھا ہے اسی لئے پڑھنے والے کے قلب پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور ایک اہم چیز مانی جا سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مثنوی انکی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ خود میر حسن کے اس بیان سے جو انھوں نے اپنے تذکرے میں اس مثنوی کے متعلق کیا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

یہ مثنوی اُنکی زندگی میں کافی شہرت اور قبول عام حاصل کر چکی تھی۔
مثنوی گلزار ارم اسمیں مصنف نے اپنے اس سفر کا حال لکھا ہے جو دہلی سے لکھنؤ تک پہونچنے کے لئے کیا تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ اپنے چند عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ اپنے وطن قدیم دہلی سے چلے۔ کچھ دنوں تک ڈیگ (بھرت پور) میں قیام کیا اور پھر یہاں سے شاہ مدار کی چھڑیوں میں مکن پور تشریف لے گئے۔ وہاں اُس زمانے میں بہت بڑا میلا ہوتا تھا۔ یہ میلے میں شریک ہوئے اور وہاں کی رنگ رلیون۔ اور میلے کی خوبیوں کا نہایت بیساختگی سے ذکر کیا ہے۔ ضمناً میلے کی شوقین شریک ہونے والی عورتوں کے لباس اور وضع قطع۔ حسن۔ لطافت۔ ناز و انداز سبھی کا ذکر آیا ہے۔ اور اُن کو ایسی خوبی کے ساتھ لکھا ہے کہ بلا شک کہا جا سکتا ہے کہ یہ مثنوی سحر البیان سے دوسرے درجہ پر رکھے جانے کے قابل ہے۔ آخر میں لکھنؤ اور فیض آباد کا ذکر آگیا ہے اور اسمیں انھوں نے جہاں فیض آباد کی والہانہ انداز میں تعریف کی ہے وہیں اُسکے مقابلے پر لکھنؤ کی مذمت میں ایک معاندانہ رنگ پیدا کر دیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے اس کا نام (گلزار ارم) اس کا سن تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ گلزار میں (ز) کی۔ بجائے (ذ) کا ہونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پہلے یہ مثنوی نایاب تھی۔ مگر ۱۹۰۸ء میں مثنوی سحر البیان کے ساتھ مخزن پریس لاہور سے شائع ہوئی اور اب پھر کمیاب ہو گئی ہے۔
مثنوی خوان نعمت یہ مثنوی نایاب ہے۔ جسکا ایک بہت قدیم نسخہ میرے کتبخانے میں موجود ہے۔ یہ کسی دوست کو بطریق خط کے لکھی گئی ہے۔ جسمیں خوان آصفی کے بیان کے ذکر میں قریب قریب تمام لذیذ کھانوں کا ذکر

کیا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی ساتھ ندرت کلام کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

بقیہ مثنویاں ان کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں جن کے نام تو نہیں ہیں۔ مگر ہیں وہ مکمل۔ ان کو زیادہ سے زیادہ حکایت یا کہانی کہا جا سکتا ہے ان میں زبان تو ضرور سلیس ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگوں اور قوموں کے عادات و خصائل کے ہو بہو بیان کرنے کے خیال سے انھوں نے فحش الفاظ سے بھی گریز نہیں کیا

مثنوی سحر البیان یہ مثنوی میر حسن کی آخری تصنیف ہے جو ۱۱۹۹ھ ہجری میں تمام ہوئی۔ اسمیں انھوں نے اپنی قدرت نظم زباندانی۔ قوت فکر طرز کلام۔ نادر استعاروں اور تشبیہوں سلاست بیان وغیرہ کا وہ کمال دکھایا ہے کہ آسانی کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے دنوں تک وہ اسکے نظم کرنے کی فکر میں منہمک رہے ہونگے ہاں اُن کے ان اشعار سے اونکی محنت کا البتہ اندازہ ہوتا ہے ؎۔

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا — کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
زبس عمر کی اس کہانی میں صرف — تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر — تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر
نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی — مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں — نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیاں
رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام — کہ ہو یادگار جہاں یہ کلام
ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا — جب اس طرح رنگیں یہ مضمون کیا
اگر واقعی غور کچھ کیجئے — صلہ اس کا کم ہے جو کچھ دیجئے
غرض جسنے اسکو سنا یہ کہا — حسن آفریں مرحبا مرحبا

	جو منصف سنیں گے کہیں گے یہی		نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی	

آمد کا یہ حال ہے کہ کہیں یہی نہیں معلوم ہوتا کہ اُنھوں نے غور و فکر کے لئے گردن جھکائی ہوگی یا دم بھر کے لئے کہیں اُن کے قلم نے دم لیا ہوگا معلومات عامہ کا یہ رنگ ہے کہ نجومیوں اور رمالوں برہمنوں کا ذکر کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرت نے ساری عمر جوتش اور رمل کے فن کے حاصل کرنے میں صرف کردی تھی۔ بزم عشرت کا سماں دکھاتے ہیں تو وہ موسیقی کے ایک ماہر کامل سے کم نظر نہیں آتے۔ اور ایسی ایسی اصطلاحات روا روی میں کہہ جاتے ہیں کہ آج تو کم از کم کوئی اُن کے معنے سمجھنے والا بھی نہیں ملتا۔ محل خانہ شاہی کا سماں۔ کنیزوں کے نام۔ اُن کے دلچسپ مشغلے بتانے پر آتے ہیں تو وہ خود بھی محل کے ایک رازدار یا اتالیق سے کم نہیں رہتے غم والم کی کیفیات۔ حادثات کا بیان۔ پرستان کی جادوگری۔ نجم النسا کے جوگن بننے کا لباس یہ سب چیزیں اسطرح بیاں ہوئی ہیں کہ جیسے اُنھوں نے برسوں خود بھی یہ بہروپ بھرے اور سوانگ دکھائے ہیں۔ محاکات کا کمال میرحسن سے زیادہ کسی مثنوی نگار کے یہاں نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ تھی کہ خود اُس زمانے میں بھی سب مثنوی لکھنے والے اس کے تتبع کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ جی چاہتا ہے کہ اسپر ایک تفصیلی بیان دیتے ہوئے تنقید کیجائے۔ مگر چونکہ یہاں اسکی ضرورت نہیں اس لئے صرف ضروری باتیں اتنا کافی ہونگی۔

یہ مثنوی ہندوستان کے مختلف مطابع میں چھپتی رہی۔ مگر افسوس کہ اسکی صحت کا لحاظ بہت کم رہا۔ اس مرتبہ ہم نے کئی قلمی و مطبوعہ قدیم نسخے جمع کرکے مقابلہ کیا۔ اور سیکڑوں اغلاط نکال کر اس کلام کو جو مصنف کے کلام سے بہت دور ہوگیا تھا پھر مصنف کا کلام بنا دیا۔

(۲) اس مثنوی میں سیکڑوں الفاظ اور اصطلاحات ایسے ہیں جن کے معنے لغات متداولہ میں بھی نہیں ملتے۔ نہایت کوشش سے ان کے معانی کی تحقیقات کرکے فٹ نوٹوں میں اُن کو درج کردیا۔

(۳) اس مثنوی پر جو دیباچہ اُن کے معاصر میر شیر علی افسوس نے لکھا تھا اور وہ فورٹ ولیم کلکتہ میں شائع ہوچکا تھا۔ اُس کو نہایت تلاش و کوشش سے بہم پہنچاکر اسمیں شامل کردیا۔

(۴) اسیطرح مصنف کی اصلی شبیہہ بھی ایک قدیم اور قلمی نسخے سے حاصل کی اور اسکو اول کتاب میں شامل کیا۔ اُمید ہے کہ اب یہ کتاب ناظرین کے لیے اور بھی جاذب نظر و توجہ ثابت ہوگی۔

عبدالباری آسی ۲۵ جون سنہ ۱۹۴۱ء

دیباچہ مثنوی سحر البیان

(از میر شیر علی افسوس)

حمد کی لیاقت اُسی صانع کو ہے جس نے عناصر اربعہ کو کہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اپنی قدرت کاملہ سے ربط دیکر ارکان ٹھہرایا اور کیفیت متوسط پر مرکبات کے اجسام کو بنایا لیکن انسان کو ہر مخلوق سے شریف تر اور لطیف تر خلق کیا کہ نفس ناطقہ نے علاقہ اُسی سے پکڑا اور وہی کلیات و جزئیات کی حقیقت سے ماہر ہوا یہاں تک کہ تعلیم و تعلم کا سلیقہ اُسے بخوبی آگیا اور اُسکی زبان میں بھی استعداد ہر لغت کے تلفظ کی بخشی چنانچہ اُس نے جس بولی کو چاہا سیکھ لیا بلکہ سکھا دیا، پس لازم ہے کہ اس کے شکریہ میں ہر دم اپنی زبان گویا رکھے اور اُسکی حمد کو ہر حال میں اپنا ورد کرے۔

نہ بھول اپنے خالق کو اے دل نہ بھول — کہ یاد اُسکی ہے دونوں جگ کا حصول
اُسی کو مددگار اپنا سمجھ — اُسی کو فقط یار اپنا سمجھ
بُرے وقت میں کوئی اُس کے سوا — ترے کام آوے یہ امکان کیا
محبت سے سب کی اُٹھا اپنا دل — فقط اُس سے ہی بس لگا اپنا دل
زباں تیری گویا رہے جب تلک — اور امکان سخن کا رہے جب تلک
کیا کر ثنائے جہاں آفریں — سخن کوئی بس اس سے بہتر نہیں
جو بعد اِس کے منظور ہو کوئی بات — تو کہہ نعت احمد شہِ کائنات

فی الواقع ستودہ خدا سب انبیا و اوصیا ہیں، تعریف اُنکی موافق مقدور ہر ایک کو ضرور ہے خصوصاً نعت و منقبت خاتم المرسلین اور اُس کے وصی امیر المومنین علیہما السلام کی کیونکہ انھوں ہی نے دنیا میں ہم کو راہ ہدایت کی بتلائی کہ ہم نے منزل ایمان کی سہولت پائی عاقبت میں بھی اُمید شفاعت کی اور انعامے جنت کی انہیں سے رکھتے ہیں۔

بھروسا کسی کا نہیں اک ذرا | ہے اُن کا ہی ہم کو فقط آسرا
نبی و علی اپنے ہیں پیشوا | نبی و علی اپنے ہیں رہنما
انھیں سے ہے کونین میں مجکو کام | وُے مولا ہیں میرے میں اُنکا غلام
درود اُن پہ اور اُنکی اولاد پر | بدل بھیجتا ہوں میں شام و سحر

بعد اس حمد و نعت کے مثنوی سحر البیان اسم با مسمّی ہے کیونکہ اس کا ہر شعر اہل مذاق کے دلوں کے لبھانے کو موہنی منتر ہے اور ہر داستان اسکی سحر سامری کا ایک دفتر، جو چیز کہ حقیقت میں خوب ہوتی ہے وہی طبایع کو مقبول و مرغوب ہوتی ہے، راست ہے کہ اسکا انداز سراپا اعجاز ہے، اور وہ ہر ایک صاحب طبیعت کے دمساز، تعریف اُسکی یہاں تک پہنچنی بجا ہے، کیونکہ فصاحت و بلاغت کا اس میں ایک دریا بہا ہے احیاناً اگر کسی شعر میں غلطی یا اُس کی بندش میں سستی پائی جاے تو قابل نام دھرنے کے اور اعتراض کرنے کے نہیں، اس لئے کہ جہاں ہنر کی کثرت ہوتی ہے وہاں عیب بہ قلت شمار میں نہیں آتا، اور تعرض اُس کا منصف مزاجوں کو نہیں بھاتا بقول شخصے ع
شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست ✦
صلے کا اس کے ماجرا یہ ہے کہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ مرحوم نے ایک دوشالہ خاص اپنے اوڑھنے کا دست بقچے میں سے نکلوا کر مصنف کو عنایت کیا رتبہ تو اس کا البتہ بڑھا پہ دل گھٹ گیا، اس لئے کہ مطلب دلی حاصل نہ ہوا لیکن یہ کھوٹ صرف طالع کی ہے کیونکہ مال کھرا خریدار اتنا بڑا اور سودا خاطر خواہ نہ ہوا، بلکہ گھاٹا آیا۔

یہ چند سطریں مصنف کے حسب و نسب اور احوال میں ہیں

مصنف اس کا میر حسن دہلوی متخلص بہ حسن خلف میر غلام حسین ضاحک کا، وطن اجداد شہر ہرات قوم سادات گردش فلکی سے انھوں نے شہر مذکور کو چھوڑا اور دلی میں آکر پرانے شہر کا رہنا اختیار کیا، وہیں یہ بزرگ پیدا ہوا بلکہ سن تمیز کو پہونچا۔

دادا اُس عالی قدر کا سنتے ہیں کہ حاجی و فاضل تھا لیکن باپ کو فضیلت نہ تھی مگر طالب علمی میں شرح ملا تک پڑھا تھا پر فارسی میں استعداد اچھی تھی، بلکہ شعر بھی متین و رنگین گاہے گاہے اس زبان میں کہتا تھا، چنانچہ یہ رباعی طبعزاد اُس کی راقم نے اُسکی زبانی سُنی ہے،

فریاد دلا کہ غمگساراں رفتند ・ سیمیں بدناں و گلعذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار ・ در خاک چو قطرہائے باراں رفتند

قصیدہ بھی ایک آدھ اس مغفور کا رتبہ وار دیکھا ہے، لیکن ہزل پرداز بسکہ مزاج مرغوب تھا غزل کبھی ترک کی تھی قیامت منہوڑا اور ٹھٹھول تھا، تخلص اس کا اِس پر دال ہے، بظاہر نہایت ثقہ اور متشرع، اکثر عمامہ عربی سبز سر پر بندھا رہتا تھا، اور جامہ کم گھیرا لپیٹی کا گلے میں داڑھی متوسط لبیں لی ہوئی قد میانہ گندم گوں لیکن میر حسن داڑھی منڈواتے تھے یہ جامہ نیمہ ان کا بھی ویسا ہی تھا اور پگڑی کی بندش قدیم ہندوستان زادوں کی سی قد لمبا تھا اور رنگ گندمی ہر چند وضع تو ایسی تھی پر شوخ مزاج و لطیفہ گو دے بھی تھے نہ ہزال و فحاش۔

سوائے اس کے بردباری اور ملنساری اُنکی خلقت میں تھی، کسی کو میں نے اس عزیز سے شاکی نہیں پایا، اور بیزار نہیں دیکھا، طبع اسکی موزوں طفولیت سے تھی شعر کیطرف رغبت رکھتا تھا، اکثر خواجہ میر درد کی صحبت سے مستفید شاہجہان آباد میں لڑکائی کے بیچ ہوا ہے اور بعد برہم ہونے سلطنت کے شہر مذکور سے مجبور اپنے والد کے ساتھ صوبۂ اودھ میں آیا سکونت فیض آباد میں اختیار کی علاقہ روزگار کا نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کی سرکار میں بہم پہونچایا، مصاحب مرزا نوازش علی خاں بہادر سردار جنگ دام ثروتہ کا ہوا، کہ مرزائے موصوف بڑا بیٹا نواب مغفور کا ہے، خدا اُسے سلامت رکھے کہ اشعار سے اُسے رغبت اور شعرا سے محبت ہے، چنانچہ میر مذکور کو بھی اُس نے اپنا انیس و جلیس کیا تھا، اور وہ تھا بھی اسی لائق اگرچہ علم عربی اُسے مطلق نہ تھا، ہاں فارسیت تھی بلکہ حسبتہ حسبتہ شعر یا کوئی رباعی کبھو کبھی لیتا تھا

لیکن علم مجلس میں بے بدل اور شعر ہندی میں اکمل تھا، مشق سخن اس نے اسی ملک میں میر ضیاء الدین ضیا تخلص سے کہ ہم مشق مرزا رفیع سودا اور میر تقی میر کے تھے کی تھی، سوائے انکے مرزائے مرحوم سے بھی انکی غیبت میں اکثر اوقات اصلاح لی تھی چنانچہ اس کا اقرار راقم کے سامنے کیا ہے، غرض میر مرحوم صاحب دیوان ہے، غزل، رباعی مثنوی، مرثیہ میں سلیقہ نہایت خوب رکھتا ہے، بلکہ سوائے قصیدے کے ہر قسم کی نظم پر قادر تھا، سچ تو یہ ہے کہ ادا بندی کا حق اُن نے خوب ادا کیا، اور انداز شعر کا کس خوبی سے رکھا، خدا اُسے بیامرزاد. راقم کو اُس سے دوستی دلی تھی کبھو رنجش خفگی باہم نہیں ہوئی، حالانکہ اُسی سرکار میں میں بھی نوکر اور اسی صاحبزادے کا ہم نشیں تھا، دس برس تک دن رات ایک جگہ رہے بلکہ اکثر ایسی غزلیں ہم طرح ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں، لیکن نہ بطور استفادہ کے جیسا کہ نواب علی ابراہیم خاں مغفور نے بے تحقیق اپنے تذکرے میں لکھا ہے، صاف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مشورہ سخن کا اس مرحوم سے بھی کیا ہے، اگر یہ بات حقیقت میں ہوتی تو کچھ عیب نہ تھا ہر گاہ حقیر میر حیدر علی حیران کی شاگردی کا مقر ہے باوجود اس کے کہ شاعری انکی میر حسن سے زیادہ نہ تھی پھر کس لئے اس بات کا انکار کرتا، قاعدہ یہی ہے کہ ایک سے سیکھتے ہیں اور دوسرے کو سکھاتے ہیں، لیکن جھوٹی بات پر اقرار نہیں کیا جاتا اور سچی سے انکار نہیں ہو سکتا، آخر چرخ تفرقہ پرداز نے باہم تفرقہ ڈالا، اتفاقاً میرا روزگار سن گیارہ سے ننانوے میں صاحب عالم مرزا جواں بخت کی سرکار میں ہوا، میں انکے ہمراہ بنارس میں آیا، بعد اس کے اس بزرگ کو آخر ذیحجہ سن بارہ سے ہجری میں مرض الموت لاحق ہوا، ندان غرہ محرم کو کہ سنہ بارہ سے ایک شروع ہو چکے تھے اس دار فانی سے اُس نے سرائے جاودانی کو کوچ کیا اور شہر لکھنؤ میں مفتی گنج کے بیچ مرزا قاسم علی خاں بہادر دام ظلہ کے باغ کے پیچھے مدفون ہوا خدائے کریم اس کو یہاں دارالسلام عطا کرے اور وہاں قصر جنت بخشے۔

عدم سے مسافر جو آیا یہاں	مقرر وہ ایک روز جاویگا واں

رہے جگ میں ہر چند وہ ہر کہیں	پر اُس کا ٹھکانا ہے زیرِ زمیں
نہ غفلت میں اپنی تو اوقات کھو	ارے بے خبر جاگتے ہیں نہ سو
جہاں میں تو مہمان ہے چند روز	ترے جسم میں جان ہے چند روز
یہ مہلت غنیمت ہے کر لے وہ کام	کہ جس سے رہے تا ابد نیک نام

فی الواقع نیکنامی بھی عجیب چیز ہے، انسان کا نام اسی سے زندہ رہتا ہے یا کلام وا اولاد سے سو وہ خوش نصیب بیٹے دونوں اُس سمیت چھوڑ گیا، چار بیٹے فضل الٰہی سے اسکے اب تک موجود ہیں، تین شاعر ہوے بود و باش انہوں نے فیض آباد میں اختیار کی معاش نوکری پر ہے، چنانچہ میر مستحسن خلیق تخلص اور میر محسن محسن تخلص مرزا تقی بہو بیگم صاحب مادر آصف الدولہ مدظلہا کے داماد کے رفیق ہیں اور میر حسن خُلق تخلص داراب علی خاں ناظر کے ساتھ ہے، یہ اور خلیق دونوں صاحب دیوان ہیں، شعر اپنے باپ ہی کے انداز پر کہتے ہیں لیکن خلیق کا سرشتہ اصلاح کا میاں مصحفی سلمہ اللہ سے تعلق رکھتا ہے، خدا اُسے اور انہیں سلامت رکھے، یہ چند فقرے بطور دیباچہ زبدۂ نوئینان عالیشان مظہر مشیر خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان مارکوئس ولزلی لارڈ گورنر بہادر دام اقبالہ کے عہد میں کہ ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ عیسوی کے ہیں حسب الارشاد صاحب والامناقب جان گلگرسٹ بہادر مدرس ہندی دام دولتہ کے اس عاصی نے لکھے اور انکو اس مثنوی کا ضمیمہ کیا۔



میر حسن دہلوی۔

الحمد للہ کہ

مثنوی سحر البیان یعنی

مثنوی میر حسن

معروف بہ

بینظیر و بدر منیر

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

نول کشور پریس لکھنؤ میں چھپکر شایع ہوئی

۱۹۴۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم ۔ جھکا جسکے سجدے کو اوّل قلم
سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں ۔ کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم پھر شہادت کی اُنگلی اُٹھا ۔ ہوا حرف زن یوں کہ ربّ العُلا
نہیں کوئی تیرا نہ ہوگا شریک ۔ تری ذات ہی وحدہٗ لاشریک
پرستش کے قابل ہی تو اے کریم ۔ کہ ہی ذات تیری غفور الرحیم
رہِ حمد میں تیری عزّ وجل ۔ تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل
وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہی ۔ قلم جو لکھے اُس سے افزود ہی
سبھوں کا وہی دین و ایمان ہی ۔ یہ دِل ہیں تمام اور وہی جان ہی
تر و تازہ ہی اُس سے گلزارِ حق ۔ وہ ابرِ کرم ہی ہوادار[۱] خلق

[۱] ہوادار - دوستدار - خیرخواہ -

اگر چہ وہ بیفکر و غیور[1] ہے	ولے پرورش سبکی منظور ہے
کسی سے نہ بر آوے کچھ کام جاں	جو وہ مہرباں ہو تو کل مہرباں
اگر چہ یہاں کیا ہے اور کیا نہیں	پر اُس بن تو کوئی کسیکا نہیں
موئے پر نہیں اُس سے رفت و گذشت[2]	اُسیکی طرف سبکی ہے بازگشت
رہا کون اور کسکی بابت[3] رہی	موے اور جیتے وہی ہے وہی
نہاں سب میں اور سب میں ہے آشکار	یہ سب اُسکے عالم ہیں ہژدہ[4] ہزار
ورے سب ہیں اُس سے وہ ہے سب سے پیش	ہمیشہ سے ہے اور رہیگا ہمیش
چمن میں ہے وحدت کے یکتا وہ گل	کہ مشتاق ہیں جسکے یاں جزو کل
اُسی سے ہے کعبہ اُسی سے کنشت[5]	اُسیکا ہے دوزخ اُسیکا بہشت
جسے چاہے جنت میں دیوے مقام	جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام
وہ ہے مالکِ ملک دنیا و دیں	ہے قبضے میں اُسکے زمان و زمیں
سدا بے نمود[6] ونکی اُس سے نمود	دل[7] بستگاں کو ہے اُس سے کشود[8]
اُسیکی نظر سے ہے ہم سبکی دید[9]	اُسیکے سخن پر ہے گفت و شنید
وہی نور ہے سب طرف جلوہ گر	اُسیکے یہ ذرے ہیں شمس و قمر
نہیں اس سے خالی غرض کوئی شے	وہ[10] کچھ شے نہیں پر ہر اک شے میں ہے
نہ گوہر میں وہ ہے نہ ہے سنگ میں	ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں
وہ ظاہر میں ہر چند ظاہر نہیں	یہ ظاہر کوئی اُس سے باہر نہیں

۱ غیور۔ غیرتمند۔ بہت رشک کرنیوالا۔ ۲ رفت و گذشت گیا گذرا۔ بے تعلق ۱۲ ۳ بابت۔ ذریعہ۔ سفارش
۴ یعنی اٹھارہ ہزار عالم ۵ کنشت آتشکدہ۔ یہودیوں کا معبد ۱۲ ۶ بے نمود سے مراد عاجز۔ کم رتبہ۔ حقیر لوگ ۱۲
۷ دل بستگاں مراد دل مایوساں ۸ کشود کشایش ۹ یعنی ہماری قوت باصرہ اُسی کے حکم سے ہے ۱۲ ۱۰
یعنی اُسکو کسی جسم کے ساتھ مجسم نہیں ٹھہرا سکتے ۱۲۔

تامل سے کیجے اگر غور کچھ ۔۔۔ تو سب کچھ وہی ہی نہیں اور کچھ
اُسی گل کی ہی بو سے خوشبو گلاب ۔۔۔ بھرے ہے لیے ساتھ دریا حباب
پراس جوش میں آکے بہنا نہیں ۔۔۔ سمجھنے[1] کی ہی بات کہنا نہیں
قلم گو زبان لاوے اپنی ہزار ۔۔۔ نہیں لکھ سکے حمد پروردگار
کہ عاجز ہی یاں انبیا کی زباں ۔۔۔ زبان قلم کو یہ قدرت کہاں
اس عہدے[2] سے کوئی بھی نکلا نہین ۔۔۔ سوا عجز درپیش یاں کچھ نہیں
وہ معبود یکتا خدائے جہاں ۔۔۔ کہ جسنے کیا کُن میں کون ومکان
دیا عقل وادراک اُسنے ہمیں ۔۔۔ کیا خاک[3] سے پاک اُسنے ہمیں
پیمبر کو بھیجا ہمارے لیے ۔۔۔ وصی[4] اور امام[5] اُسنے پیدا کیے
جہانکو اُنھوں نے دیا انتظام ۔۔۔ برائی بھلائی سجھائی تمام
دکھائی اُنھوں نے ہمیں راہ راست ۔۔۔ کہ تا ہو نہ اُس راہ کی بازخواست[6]
سو وہ کونسی راہ شرع نبی ۔۔۔ کہ جنت کے رستے کو سیدھی گئی

نعت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کون یعنی رسول کریم ۔۔۔ بنوت کے دریا کا دُرِ یتیم
ہوا گو کہ ظاہر میں اُمی لقب ۔۔۔ یہ علم[7] لدُنی کھلا دلپہ سب

---

[1] یعنی عبد و معبود ایک ہیں مگر ادب لازم ہی۔
[2] عُہدہ۔ ذمہ۔ ذمہ داری ۱۲ [3] خاک سے پاک کرنا۔ ادنی درجے سے اعلے مرتبے پر پہنچانا [4] وصی۔ وہ جسکے حق میں وصیت کی جائے [5] امام۔ پیشوائے دین [6] بازخواست۔ دی ہوئی چیز پھر واپس مانگنا پرسش [7] علم لدنی۔ وہ علم جو بغیر اُستاد کے محض فضل الٰہی سے حاصل ہو۔

ہوا علم دیں اُسکا جو آشکار — گذشتہ ہوئے حکم تقویم[1] پار
اُٹھا کفر اسلام ظاہر کیا — تبھو نکو خدائی سے باہر کیا
کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے — بنایا نبوت کا حقدار اُسے
نبوت جو کی حق نے اُس پر تمام — لکھا اشرف[2] الناس خیر الانام
بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے — خدا نے کیا اپنا محبوب اُسے
کروں اُسکے رتبہ کا کیا میں بیان — کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلان
مسیح اُسکے خرگاہ[3] کا پارہ دوز — تجلی طور اُسکی مشعل فروز
خلیل اُسکے گلزار کا باغبان — سلیماں سے کئی مہردار[4] اُسکے ہاں
خضر اُسکی سرکار کا آبدار[5] — زرہ ساز داؤد سے واں ہزار
محمد کے مانند جگ[6] میں نہیں — ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں
یہ تھی رمز جو اُسکے سایا نتھا — کہ رنگِ دوئی وانتک آیا نتھا
نہو نیکا سایہ کے تھا یہ سبب — ہوا صرف پوشش میں کعبہ کی سب
وہ قد اسلیے تھا نہ سایہ فگن — کہ تھا کل وہ اک معجزے کا بدن
بنا سایہ اُسکا لطیف اسقدر — نہ آیا لطافت کے باعث نظر
عجب کیا جو اُس گل کے سایہ نہو — کہ تھا وہ گل قدرتِ حق کی بو
خوش آیا نہ سایہ کو ہونا جدا — اُسی نور حق کے رہا زیر پا
نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھاؤں — کسیکا نہ منہ دیکھا دیکھ اُسکے پاؤں

---

[1] تقویم پار - پرانی جنتری - مراد بیکار [2] اشرف الناس - آدمیوں میں سب سے زیادہ بزرگ خیر الانام دنیا کا بہترین آدمی [3] خرگاہ - ایک قسم کا بڑا خیمہ - امرا کا خیمہ پارہ دوز - پیوند لگانے والا [4] مہردار وہ عہدہ دار جسکی سپردگی میں امرا اور سلاطین کی مہریں ہوں [5] آبدار - بادشاہوں اور امیروں کے یہاں کا وہ منصب دار جسکی سپرد پانی پلانے کی خدمت ہو ۱۲ [6] جگ - مراد زمانہ ۱۲-

وہ ہوتا زمیں گیر گیا فرش پر	قدم اُسکے سایہ کا تھا عرش […]
نہونیکی سایے کے اک وجہ اور	مجھے خوب سوجھی یہ ہے شرط غو[…]
جہاں تک کہ تھے یا نکے اہل نظر	سمجھ مایۂ نور کحل[١] البصـ[…]
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اُٹھا	زمیں پر نہ سائے کو گرنے د[…]
سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب	وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
دگر نہ یہ تھی چشم اپنی کہاں	اُسی سے یہ روشن ہے سارا جہا[…]
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا	ملائک کے دل میں سمایا ر[…]

منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نہیں ہمسر اُسکا کوئی جز علی	کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی
ہوئی جو نبوت نبی پر تمام	ہوئی نعمت اُسکے وصی پر تمام
جہاں فیض سے اُنکے ہے کامیاب	نبیؐ آفتاب و علی ماہتاب
علیؑ دین و دنیا کا سردار ہے	کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
دیارِ امامت کے گلشن کا گُل	بہارِ ولایت کا باغ سنبل
علیؑ راز دار خدا و نبیؐ	خبر دار سر خفی و جلی
علیؑ بندۂ خاص درگاہ حق	علیؑ سالک و رہنر و راہ حق (رہبر)
علیؑ ولی ابن عم رسولؐ	لقب شاہ مرداں و زوج[٢] بتول
کہے یوں جو چاہے کوئی بیر سے	یہ نسبت علیؑ کو نہیں غیر سے

١ آنکھ کا سرمہ ١٢

٢ زوج بتول - یعنی شوہر حضرت فاطمہ علیہا السلام۔

خدا[1] نفس پیغمبرش خواندہ است
دگر را فضیلت بہ کس ماندہ است

یہاں بات کی اب سمائی نہیں
نبی اور علی میں جدائی نہیں

نبی اور علیؑ ہر دو نسبت بہم
دو تاؤ کیے جوں زبان قلم

علیؑ کا عدو دوزخی دوزخی
علیؑ کا محب جنتی جنتی

نبیؐ و علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ
حسینؑ ابن حیدرؑ یہ ہیں پنجتن

ہوئی انپہ دو جگ کی خوبی تمام
اونھوں پر درود اور انھوں پر سلام

علیؑ سے لگا تا بہ مہدیؑ دین
یہ ہیں ایک نور خدائے بریں

انھوں سے ہر قائم امامت کا گھر
کہ بارہ ستون ہیں یہ اثنا عشر

صغیرہ کبیرہ سے یہ پاک ہیں
حساب عمل سے یہ بیباک ہیں

ہوا یاں سے ظاہر کمال رسول
کہ بہتر ہوئی سب سے آل رسول

تعریف اصحاب پاک رضوان اللہ علیہم

سلام انپہ جو اسکے اصحاب ہیں
وہ اصحاب کیسے کہ احباب ہیں

خدا نے انھوں کو کہا مومنین
وہ ہیں زینت آسمان و زمیں

خدا انسے راضی رسول انسے خوش
علیؑ انسے راضی بتول انسے خوش

ہوئی فرض انکی ہمیں دوستی
کہ ہیں دلسے وہ جان نثار نبیؐ

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

الٰہی بحق رسولؐ امیں
بحق علیؑ و باصحاب دیں

[1] ترجمہ خدائے تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کو نفس پیغمبر قرار دیا ہے۔ دوسرے کیلئے کوئی فضیلت نہیں رہی

بحق بتولؑ و بآلؑ رسولؐ / کروں عرض جو میں سو ہووے قبول
الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں / گناہوں سے اپنے گرانبار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار / کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
مری عرض یہ ہے کہ جبتک جیوں / شراب محبت کو تیری پیوں
سوا میری الفت کے اور سب ہو ہیچ / یہی ہو نہو اور کچھ اینچ[١] پیچ
جو غم ہو تو ہو آل احمدؐ کا غم / سوا اس الم کے نہو کچھ الم
رہے سب طرف سے مرے دل کو چین / بحق حسنؑ اور بحق حسینؑ
کسی سے نہ کرنی پڑے التجا / تو کر خود بخود میری حاجت روا
صحیح اور سالم سدا مجھکو رکھ / خوشی سے ہمیشہ خدا مجھکو رکھ
مری آل اولاد کو شاد رکھ / مرے دوستوں کو تو آباد رکھ
میں کھاتا ہوں جنکا نمک اے کریم / سدا رحم کر انپہ تو اے رحیم
جیوں آبرو اور حرمت کیساتھ / رہو نمیں عزیز و نمیں عزت کیساتھ
بر آویں مرے دین و دنیا کے کام / بحق محمدؐ علیہ السلام

تعریف سخن

پلا مجھکو ساقی شراب سخن / کہ مفتوح[٢] ہو جس سے باب سخن
سخن کی مجھے فکر دن رات ہے / سخن ہی تو ہے اور کیا بات ہے
سخن کے طلبگار ہیں عقلمند / سخن سے ہے نام نکو یاں بلند
سخن کی کریں فکر مردان کار / سخن نام انکا رکھے برقرار

[١] مراد جھگڑا ١٢ [٢] مفتوح۔ کشادہ ١٢-

سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام　　جنھیں چاہیے ساتھ نیکی سکے نام
سخن سے سلف[۱] کی بھلائی رہے　　زبان قلم سے بڑائی رہے
کہاں رستم و گیو و افراسیاب　　سخن سے رہی یاد یہ نقل خواب
سخن کا صلہ یار دیتے رہے　　جواہر سدا مول لیتے رہے
سخن کا سدا گرم بازار ہے　　سخن سنج اُسکا خریدار ہے
رہے جبتلک داستانِ سخن　　الٰہی رہیں قدردانِ سخن

مدح شاہ عالم بادشاہ غازی بہادر کی

خدیو[۲] فلک شاہ عالی گہر　　زمیں بوس ہیں جسکے شمس و قمر
جہاں اُسکے پرتو سے ہی کامیاب　　وہ ہی برج اقلیم میں آفتاب
اُسی مہر سے ہی منور یہ ماہ　　جہاں ہووے اور ہو جہاندار شاہ
وہ مہر منور یہ ماہِ منیر　　اور اُسکا یہ مجسم سعادت وزیر

مدح وزیر الممالک جناب نواب آصف الدولہ بہادر کی

فلک رُتبہ نواب عالیجناب　　کہ ہی آصف الدولہ جسکا خطاب
وزیر جہاں حاکم عدل و داد　　ہی آبادی ملک جسکی مراد
جہاں عدل سے اُسکے آباد ہی　　فقیر و غریبونکا دل شاد ہی
پھرے بھاگتا مور سے فیل مست　　زبردست ظالم پہ ہی زیردست
کتان پر کرے مہ اگر بد نظر　　تو آدھا ادھر اور آدھا اُدھر

[۱] سلف۔ گذرے ہوے لوگ۔ [۲] بادشاہ ۱۲۔

کسیکا اگر مفت سے زلف دل — تو کھایا کرے پیچ وہ متصل
وہ انصاف سے جو گزرتا نہیں — کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں
نہو باگھ بکری میں کچھ گفتگو — اگر اُسکا چیتا نہووے کبھو
گر آواز سن صید کی کچھ کہے — تو باز آئے چیخ کر بہری رہے
پھرے شمع کے گرد گر آکے چور — صبا کھینچ لیجاوے اُسکو بزور
نہ لے جب تلک شمع پروانگی — پتنگے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی
اگر آپ سے اوسپہ وہ آگرے — تو فانوس میں شمع چھپتی پھرے
گر احیاناً اُسکے جلیں بال و پر — تو گلگیر لے شمع کا کاٹ سر
اُسے عدل کی جو طرح یاد ہے — کسے یاد ہو یہ خداداد ہے
ستم اُسکے ہاتھوں سے رویا کرے — سدا فتنۂ دہر سویا کرے
گھروں میں فراغت سے سوتے ہیں سب — پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب
وہ ہے باعثِ امن خرد و کلاں — کہ ہے نام سے اُسکے مشتق اماں

بیان سخاوت کا

بیان سخاوت کروں جو رقم — تو زر ریز کاغذ پہ ہووے قلم
نظر سے توجہ کی دیکھا جدھر — دیا مثل نرگس اُسے سیم و زر

له باگھ۔ شیر ٢ه چیخ ایک قسم کی ابابیل۔ بہری ایک شکاری پرند۔
٣ه شمع کا چور وہ رخنہ جو شمع میں ایک طرف کے گھلنے سے پڑتا ہے ۱۲۔
٤ه پروانگی اجازت۔
٥ه احیاناً۔ اتفاقاً کبھی کبھی۔
٦ه طرح مجازاً حکمت۔ صورت۔ طریقہ ۱۲۔

سخاوت یہ ادنیٰ سی اک اُسکی ہی | کہ اکدن دو شالے دیے بنات سے
سوا اسکے ہی اور یہ داستان | کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جان
ہوئی گر جو اکبار کچھ برشگال[۱] | گرانی[۲] سی ہونے لگی ایک سال
غریبو نکا دم سا نکلنے لگا | توکل کا بھی پانوں جلنے لگا
وزیر الممالک نے تدبیر کر | خدا کی دیا راہ میں مال و زر
محلہ محلہ کیا حکم یہ | کہ ناڑے[۳] سے اس غم کی کھولیں گرہ
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب کہ جیے | کئی لاکھ لاکھ اکدن میں دیے
یہ لغزش پڑی ملک میں جو تمام | لیا ہاتھ نے اُسکے گرتو نکو تھام
یہ بندہ نوازی یہ جان پروری | یہ آئین سرداری و سروری
ہوئی ذات پر اُس سخی کی تمام | تکلف ہی آگے سخاوت کا نام
فقیرونکی تو یاں تلک ہے بنی | کہ ایک ایک یاں ہو گیا ہی غنی
یہ گیا دخل آواز دے جو گدا | چٹکنے کی گل کے نہ ہو وے صدا
نہو اُسکا رشامل جو ابر کرم | اثر ابر نیساں[۴] سے ہو وے عدم
قدح لیکے نرگس جو ہو وے کھڑی | تو خجلت سے جاوے زمیں میں گڑی
ہر اک کام اُسکا جہانکی مراد | فلاطوں طبیعت ارسطو نژاد
جب ایسا وہ پیدا ہوا ہی بشر | تب اُسکو دیا ہی یہ کچھ مال و زر

لہ برشگال۔ برسات ۱۲

ٹہ گرانی۔ قحط۔ کال پڑنا ۱۲ سہ کچا سرخ زرد رنگا ہوا سوت ۱۲ لکہ مشہور ہی کہ ابر نیساں (یعنی اس گھٹا کا پانی جو نوروز سے چالیس دن بعد برستا ہے اور مشہور ہے کہ اس پانی سے سیپ میں موتی اور بانس میں بن سلوچن بنتا ہے ۱۲۔

بیان شجاعت کا

لکھوں گر شجاعت کا اُسکی بیان ۔ قلم ہو مرا رستم داستان
غضب سے وہ ہاتھ اپنا جسپر اُٹھائے ۔ اجل کا طمانچہ قسم اُسکی کھائے
کرے جسجگہ زور اُسکا نمود ۔ دل آہنین اُسجا پہ ہوئے کبود
چلے تیغ گر اُسکی روز مصاف[1] ۔ نظر آئے دشمن سے میدان صاف
اگر بیحیائی سے کوئی عدو ۔ ملا دیوے اُس تیغ سے منھ کبھو
تو ایسے ہی کھا کر گرے سر کے بل ۔ کہ سر پر کھڑی اُسکے روئے اجل
نہو کیونکہ وہ تیغ برق غضب ۔ کہ بُرِش کی تشدید جوہر ہیں سب
ہوئی ہم قسم اُسکی تیغ اجل ۔ نکل آئے یہ گر پڑے وہ اُگل
لگا دے اگر کوہ پر ایک بار ۔ گذر جائے یوں جیسے صابن سے تار
غضب سے غضب اُسکے کانپا کرے ۔ تہور سے ہیبت بھی اُسکے ڈرے
اور اس زور پر ہے یہ حلم و حیا ۔ کہ ہے خُلق کا جیسے دریا بہا
جہانتک کہ ہیں علم و کسب و کمال ۔ ہر اک فن میں ماہر ہے وہ خوشخصال
سخندان سخن سنج شیریں زبان ۔ وزیر جہاں و وحید زمان
سخن کی نہیں اُس سے پوشیدہ بات ۔ غوامض[2] ہیں سب سہل اُنکے نکات[3]
سلیقہ ہر اک فن میں ہر بات میں ۔ نکلنی نئی بات دن رات میں
سدا سیر پر اور تماشے پہ دل ۔ کشادہ دلی اور خوشی متصل
نہو اُسکو کیونکر ہو اُسے شکار ۔ تہور شعار وہ نکا ہے یہ شعار

۱؎ لڑائی میں فوج کے صف باندھنے کی جگہ مجازاً میدان جنگ ۱۲ ۲؎ غوامض - باریکیاں ۱۲ ۳؎ نکات. نکتہ کی جمع ۱۲

دلیروں کو ہے بس دلیروں سے کام | کہ رہتا ہے شیروں کو شیروں سے کام
شہاں را[1] ضرورست مشقِ شکار | کہ آید بکارے صید دلہا بکار
کھلے بند ہیں جتنے صحرا میں صید | ہیں نواب کے دامِ الفت میں قید
ز مہرش[2] دلِ آہواں سوختہ | بفتراک او چشمہا دوختہ
شجاعت کا ہمت کا یہ کام ہے | درم ہاتھ میں ہے کہ یا دام ہے
نہ ہوتا اگر اسکو عزمِ شکار | درندوں سے بچتا نہ شہر و دیار
نہ بچتے جہاں بیچ خرد و بزرگ | یہ ہو جاتے سب لقمۂ شیر و گرگ
یہ انسان پر اسکا احسان ہے | کہ بے خوف انسان کی جان ہے
بنائی جہاں اسنے نخچیر[3] گاہ | رہے صید واں آکے شام و پگاہ
رکھا صید بحری پہ جس دم خیال | لیا پشت پر اپنی ماہی نے جال
مگر اپنا دیتے ہیں جی جان کر | کہ ٹاپو پہ گرتے ہیں آن آن کر
نہ سمجھو نکلتی ہے دریا میں سونس[4] (ہیں) | خوشی سے اچھلتی ہیں دریا میں سونس
چرندوں کا دل اسطرف ہے لگا | پرندوں کو رہتی ہے اسکی ہوا
پلنگوں کا ہے بلکہ چیتا[5] یہی | کہ آ بندھاوے ہماری کوئی
خبر اسکی سنکر نہ گینڈا اچلے | کہ ہاتھی بھی ہو مست انیڈا چلے
جو کچھ دلمیں گینڈا ٹکے آوے خیال | تو بھاگے اس آگے سپر اپنی ڈال
کھڑے ارنے[6] ہوتے ہیں سرجوڑ جوڑ | کہ جی کون دیتا ہے بدبد[7] کے ہوڑ

[1] ترجمہ بادشاہوں کو شکار کی مشق ضروری ہے کہ دلوں کے شکار کرنے میں کام آئے [2] ترجمہ اسکی محبت سے ہرنوں کا دل جلا ہوا ہے۔ اوسکے فتراک (تسمۂ شکاربند) پر آنکھیں لگائے ہیں [3] نخچیرگاہ۔ شکار کرنیکی جگہ۔ [4] سونس۔ ایک دریائی درندہ جانور [5] چیتا۔ خیال۔ سوچا ہوا۔ [6] ارنا۔ جنگلی سانڈ جنگلی بھینسا [7] ہوڑ بدنا۔ شرط بدنا۔ بازی بدنا۔

اطاعت کے حلقے سے بھاگے جو فیل | پلک اُسکی آنکھوں میں ہو رود نیل
سو وہ تو اطاعت میں یکدست ہیں | نشے میں محبت کے سب مست ہیں
اُسکے لیے گو کہ ہیں یہ پہاڑ | قدم اپنے رکھتے ہیں سب گاڑ گاڑ
کہ شاید مشرف سواری سے ہوں | سرافراز نہ چلکر عماری[1] سے ہوں
چمن جب کہ ہو دیں یہ حیوان کے | تو پھر حق بجانب ہو انسان کے
کسے ہو نہ صحبت کی اُسکی ہوس | وہ لے کیا کریں جو نہو دسترس

عجز و انکسار مصنف اور عرض کرنا داستان کا

فلک بارگاہا[2] ملک درگہا | جدا میں جو قدموں سے تیرے رہا
نہ کچھ عقل نے اور نہ تدبیر نے | رکھا مجھکو محروم تقدیر نے
پر اب عقل نے میرے کھولے ہیں گوش | دیا ہے مدد سے تری مجھکو ہوش
سو میں اک کہانی بنا کر نئی | دُر فکر سے گوندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز | یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز
مرا عذر تقصیر ہووے قبول | بحق علیؑ و بآلِ رسولؐ
رہیں شاد و آباد کُل خیر خواہ | پھریں اس گھرانے کے دشمن تباہ
رہے جاہ و حشمت ترا یہ مدام | بحق محمد علیہ السلام
اب آگے کہانی کی ہے داستان | ذرا سنیے دل دیکے اسکا بیان

[1] عماری - ہودہ -

[2] بارگاہا اور درگہا میں الف ندائیہ ہے -

آغاز داستان

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ ۔ کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ
بہت حشمت و جاہ و مال و منال ۔ بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشاہ اُسکو دیتے تھے باج[۱] ۔ خطا و ختن[۲] سے وہ لیتا خراج
کوئی دیکھتا آکے جب اُسکی فوج ۔ تو کہتا کہ ہے[۳] بحر ہستی کی موج
طویلے کے اُسکے جو ادنیٰ تھے خر ۔ اُنھیں نعلبندی[۴] میں ملتا تھا زر
جہانتک کہ سرکش تھے اطراف کے ۔ وہ اُس شہ کے رہتے تھے قدموں لگے
رعیت تھی آسودہ و بے خطر ۔ نہ غم مفلسی کا نہ چوری کا ڈر
عجب شہر تھا اُسکا مینو[۵] سواد ۔ کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد
لگے تھے ہراک جا پہ واں سنگ و خشت ۔ ہراک کوچہ اُسکا تھا رشک بہشت
زمیں سبز و سیراب عالم تمام ۔ نظر کو طراوت وہاں صبح و شام
عمارت تھی پرگچ کی واں بیشتر ۔ کہ گذرے صفائی سے جسپر نظر
کہیں چاہ و نبع کہیں حوض و نہر ۔ ہراک جا پہ آب لطافت کی لہر
کروں اُسکی وسعت کا کیا میں بیاں ۔ کہ جوں اصفہان[۶] تھا وہ نصفِ جہاں
ہنرمند واں اہل حرفہ تمام ۔ ہراک نوع کی خلق کا اژدھام
پہ دلچسپ بازار تھا چوک کا ۔ کہ ٹھہرے جہاں پر وہیں دل لگا
جہانتک کہ رستے تھے بازار کے ۔ کہے تو کہ تختے تھے گلزار کے

[۱] باج محصول [۲] خطا و ختن دو شہروں کے نام [۳] کرتبہ آدمی [۴] گھوڑے کے نعل جڑنا [۵] بہشت کی سی رونق [۶] اصفہان عراق کا ایک مشہور و معروف شہر جہاں کی تلوار اور سرمہ مشہور ہیں ۱۲۔

وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در
سپیدی پہ جسکی نہ ٹھہرے نظر

صفا پر جو اُسکی نظر کر گئے
اُسے دیکھکر سنگ مرمر گئے

کہوں قلعہ کی اُسکی میں کیا شکوہ
گئے دب بلندی کو دیکھ اُسکی کوہ

وہ دولتسرا خانۂ نور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا

ہمیشہ خوشی رات دن سیر باغ
نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ

سدا عیش و عشرت سدا راگ و رنگ
نتھا زیست سے اپنی کوئی تنگ

غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا وہ عجب بادشاہ

نہ دیکھا کسینے کوئی واں فقیر
ہوے اُسکی دولت سے گھر گھر امیر

کہانتک کہوں اُسکا جاہ و حشم
محل و مکان اُسکا رشک ارم[۱]

سدا ماہرویوں سے صحبت اُسے
سدا جامہ زیبوں سے رغبت اُسے

ہزاروں پری پیکر اُسکے غلام
کمر بستہ خدمتمیں حاضر مدام

کسیطرح کا وہ نرکھتا تھا غم
مگر ایک اولاد کا تھا الم

اسی بات کا اُسکے تھا دلپہ داغ
نرکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

دنوں[۲] کا عجب اُسکے یہ پھیر تھا
کہ اُس روشنی پر یہ اندھیر تھا

وزیروں کو اک روز اُسنے بلا
جو کچھ دل کا احوال تھا سو کہا

کہ میں کیا کرونگا یہ مال و منال
فقیری کا ہے میرے دلکو خیال

فقیر اب نہوں تو کروں کیا علاج
نہ پیدا ہوا وارثِ تخت و تاج

جوانی تو میری گئی اب گذر
نمودار پیری ہوئی سر بسر

دریغا[۳] کہ عہد جوانی گذشت
جوانی مگو زندگانی گذشت

---

[۱] ارم شداد کی بنائی ہوئی جنت ۱۲ [۲] دنوں کا پھیر گردش قسمت ۱۲ [۳] افسوس کہ جوانی کا زمانہ گذر گیا جوانی کیوں کہو زندگی ہی گذر گئی۔

بہت ملک پر جان کھویا کیا ۔ بہت فکر دنیا میں سویا کیا
زہے[1] بے تمیزی و بیحاصلی ۔ کہ از فکر دنیا و دیں غافلی
وزیروں نے کی عرض کاے[2] آفتاب ۔ نہو ذرہ تجھکو کبھی اضطراب
فقیری جو کیجے تو دنیا کے ساتھ ۔ نہیں خوب جانا اُدھر خالی ہاتھ
کرو سلطنت لیکن اعمال نیک ۔ کہ تا دو جہاں میں رہے حال نیک
جو عاقل ہوں وہ سوچ میں ٹک[3] رہیں ۔ کہ ایسا نہووے کہ پھر سب کہیں
تو[4] کار زمیں را نکو ساختی ۔ کہ با آسماں نیز پرداختی
یہ دنیا جو ہے مزرع[5] آخرت ۔ فقیری میں ضائع کرو اسکو مت
عبادت سے اس کشت[6] کو آب دو ۔ کہ واں جاکے خرمن بھی طیار لو
رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات ۔ کہ اِس فیض سے ہے تمہاری نجات
مگر ہاں جو اولاد کا ہے یہ غم ۔ سو اسکا تردد بھی کرتے ہیں ہم
عجب کیا کہ ہووے تمہارے خلف[7] ۔ کرو تم نہ اوقات اپنی تلف
نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو ۔ کہ قرآں میں آیا ہے لا تقنطوا[8]
بلاتے ہیں ہم اہل تنجیم[9] کو ۔ نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو
تسلّی تو دی شاہ کو اس نمط[10] ۔ ولے اہل تنجیم کو بھیجے خط
نجومی و رمال اور برہمن ۔ غرض یاد تھا جن کو اس ڈھب کا فن
بلا کر انھیں شہ کنے[11] لے گئے ۔ جوں ہی روبرو سب وہ شہ کے گئے

۱ ترجمہ تو عجب بے تمیز اور فضول آدمی ہے کہ دنیا اور دین کی فکر سے تو غافل ہے ۲ کاے کہ اے ۳ ٹک ذرا ۴ ترجمہ تونے دنیا کا کام خوب بنایا ہے کہ آسماں کی طرف توجہ کی ہے ۵ مزرع کھیت ۶ کشت کھیتی ۷ خلف لڑکا باپ کا قائم مقام ۸ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ۔ خدا کی رحمت سے نا امید نہو ۹ اہل تنجیم نجومی ستارہ شناس ۱۰ نمط طرح ۱۱ کنے پاس۔

پڑا جب نظر وہ شہ تاج و تخت — دعا دی کہ ہوں شہ کے بیدار بخت

کیا قاعدے سے ٹھہر کر سلام — کہا شہ نے میں تمسے رکھتا ہوں کام

نکالو ذرا اپنی اپنی کتاب — مرا ہی سوال اُسکا لکھو جواب

نصیبوں میں دیکھو تو میرے کہیں — کسی سے بھی اولاد ہی یا نہیں

یہ سنکر وہ رمّال طالع شناس — لگے کھینچنے زائچے[1] بیقیاس

دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ — لگا دھیان اولاد کا اُسکے ساتھ

جو پھینکیں تو شکلیں[2] کئی بیٹھیں مل — کئی شکل سے دل گیا اُنکا کھل

جماعت نے رمّال کی عرض کی — کہ ہی گھر میں اُمید[3] کی کچھ خوشی

یہ سن ہمسے اے عالموں کے شفیق — بہت ہمنے تکرار کی ہر طریق

بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی — تو ایک ایک نقطہ ہی فرد خوشی

ہی اس بات پر اجتماع تمام — کہ طالع میں فرزند ہی تیرے نام

زن و زوج[4] کی شکل میں ہی فرح — پیا کرے وصل کا تو قدح

نجومی بھی کہنے لگے در جواب — کہ ہمنے بھی دیکھی ہی اپنی کتاب

نحوست کے دن سب گئے ہیں نکل — عمل اپنا سب کر چکا ہی زحل[5]

ستارے نے طالع کے بدلے ہیں طور — خوشی کا کوئی دم میں آتا ہی دور

نظر کی جو تسدیس[6] و تثلیث[7] پر — تو دیکھا کہ ہی نیک سبکی نظر

لہ زائچہ۔ جنم پترا۔ وہ شکلیں جو رمال سوال کا جواب دیتے وقت بناتے ہیں ۲ہ امید حمل ۳ہ نام اشکال رمل کا ۴ہ ایک ستارہ جسکو منحوس بتایا جاتا ہی ۵ہ تسدیس اہل نجوم کی اصطلاح میں اسکو کہتے ہیں کہ دو ستاروں کے درمیان میں برج یا گیارہ کا فاصلہ ہو جیسے قمر حمل میں ہو اور مشتری جوزا میں یا قمر جوزا میں ہو اور مشتری حمل میں۔ اور یہ نیم دوستی ہی اور اسکو تسدیس اس لئے کہتے ہیں کہ قمر اور دوسرے ستارے میں ساٹھ درجہ کا فاصلہ ہو جو آسمان کا چھٹا حصہ ہوتا ہی ۱۲ ۶ہ تثلیث اصطلاح اہل نجوم میں قمر کا سعد ستارہ کے ساتھ پانچ یا نو برجوں کے فاصلہ پر ہونا جیسے کہ قمر حمل میں ہو اور مشتری اسد میں۔ یا مشتری قوس میں ہو اس صورت میں حمل سے اسد تک پانچ اور حمل سے قوس تک نو خانے ہیں اور یہ نظر دوستی تمام کا پتہ دیتی ہی اور یہ ستارہ سعد خادم اور ناظر سمجھا جائیگا۔ اور اس کو تثلیث اس سبب سے کہتے ہیں کہ قمر اور سعد میں

جواب

کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار[۱] — تو کچھ انگلیوں پر کیا پھر شمار
جنم پترا شاہ کا دیکھ کر — تلا[۲] اور برچھیک[۳] پر کر نظر
کہا رام جی کی ہے تھیر دیا[۴] — چندرماں[۵] سا بالک[۶] ترے ہوئیگا
نکلتے ہیں اب تو خوشی کے بچن[۷] — نہو گر خوشی تو نہیں برہمن
مہاراج کے ہونگے مقصد شتاب — کہ آیا ہے اب پانچواں[۸] آفتاب
نصیبوں نے کی آپ کے یاوری — کہ آئی ہے اب ساتویں[۹] مشتری
مقرر ترے چاہیئے ہو پسر — کہ دیتی ہے یوں اپنی پوتھی[۱۰] خبر
ولیکن مقدر ہے کچھ اور بھی — کہ ہیں اس بھلے میں برے طور بھی
یہ لڑکا تو ہوگا دلے کیا کہیں — خطر ہے اسے بارھویں برس میں
نہ آئے یہ خورشید بالائے بام — بلندی سے خطرہ ہے اسکو تمام
نہ نکلے یہ بارہ[۱۲] برس رشک مہ — رہے برج میں یہ مہ چاردہ
کہا سنکے یہ شہ نے انکے تئیں — کہو جی کا خطرہ تو اسکو نہیں
کہا جان کی سب طرح خیر ہے — مگر دشت غربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اسپہ عاشق ہو جن ویری — کوئی اسکی معشوق ہو استری[۱۱]
کچھ ایسا نکلتا ہے پوتھی میں اب — خرابی ہو اسپر کسیکے سبب
ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم — کہ دنیا میں توام ہے شادی و غم
کہا شہ نے اسپر نہیں اعتبار — جو چاہے کرے میرا پروردگار
یہ فرما محل میں در آمد ہوے — منجم وہاں سے برآمد ہوے

۱ فکر غور ۲ تلا برج میزان ۳ برچھیک برج عقرب ۴ دیا مہربانی ۵ چندرماں چاند ۶ بالک لڑکا ۷ بچن باتیں ۸ علامت خوشی بحساب نجوم ۹ علامت سرور بحساب نجوم ۱۰ پوتھی سے مراد یہاں پترہ یا نجوم کی کتاب ہے ۱۲ ۱۱ استری جورو

خدا پر زبس اُسکو تھا اعتقاد / لگا مانگنے اپنے حق سے مراد

خدا سے لگا کرنے وہ التجا / لگا آپ مسجد میں رکھنے دیا[۱]

نکالا مرادونکا آخر سراغ[۲] / لگائی اُدھر لو[۳] تو پایا چراغ

سحابِ کرم نے کیا جو اثر / ہوئی کشتِ اُمید کی باردر

اُسی سال میں یہ تماشا[۴] سنو / رہا حمل اک زوجۂ شاہ کو

جو کچھ دلپہ گذرے تھے رنج و تعب / مبدّل ہوئے وہ خوشی ساتھ سب

داستان تولد ہونے شاہزادۂ بےنظیر کی

خوشی سے پلا مجھکو ساقی شراب / کوئی دم میں بجتا ہی جنگ[۵] و رباب

کروں نغمۂ تہنیت[۶] کو شروع / کہ اک نیک اختر کرے ہی طلوع

گئے نو مہینے جب اُس پر گذر / تولّد ہوا شہ کے گھر میں پسر

عجب صاحب حسن پیدا ہوا / جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا

نظر کو نہو حسن پر اُسکے تاب / اُسے دیکھ بیتاب ہو آفتاب

ہوا وہ جو اُس شکل سے دلپذیر / رکھا نام اُسکا شہ بےنظیر

خواصوں[۷] نے خواجہ سراؤں[۸] نے جا / کئی نذریں[۹] گذرانیاں[۱۰] اور کہا

مبارک تجھے اے شہ نیکبخت / کہ پیدا ہوا وارثِ تاج و تخت

---

۱ دیا - چراغ ۲ کھوج ۳ لو - کمال توجہ ۴ تماشا سے مراد یہاں عجیب بات ہے ۵ جنگ ایک ستار کی قسم کا باجا۔ رباب سارنگی کی قسم کا ایک باجا ۱۲ ۶ تہنیت - مبارکباد ۷ خواص - وہ مرد یا عورتیں جو مصاحبت کا کام کرتے تھے یا خاص خدمتوں پر متعین ہوتے تھے ۸ خواجہ سرا ایک قسم کے زنانے جو شاہی محلات میں مختلف خدمات انجام دیتے تھے ۹ نذر - وہ تحفہ جو بڑے لوگوں امرا و بادشاہوں وغیرہ کو بطور پیشکش دیا جاے ۱۲ ۱۰ گذرانیاں زبان قدیم ہے آجکل گزرانین کہتے ہیں ۱۲ -

سکندر نژاد اور دارا حشم
فلک مرتبت اور عطارد رقم

رہے اُسکے اقلیم زیرِ نگیں
غلامی کریں اُسکی خاقانِ چیں

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جانماز
کیے لاکھ سجدے کہ اے بےنیاز

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہو تجھسے مایوس اُمیدوار

دوگانہ غرض شکر کا کر ادا
تہیہ کیا شاہ نے جشن کا

دو نذریں خواصونکی خوجونکی لے
اُنھیں خلعت و زر کا انعام دے

کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو
کہا خانساماں سے مہیّا رہو

نقیبوں کو بلوا کے یہ کہدیا
کہ نقار خانے میں دو حکم جا

کہ نوبت خوشی کی بجاویں تمام
خبر سنکے یہ شاد ہوں خاص و عام

یہ مژدہ جو پہونچا تو نقارچی
لگا ہر جگہ بادلہ اور زری

بنا ٹھاٹھ نقار خانیکا سب
مہیا کر اسباب عیش و طرب

غلاف اُنپہ بانات پرزر کے ٹانک
شتابی سے نقاروں کو سینک سانک

دیا چوب کو پہیلے بم سے ملا
لگی پہیلنے ہر طرف کو صدا

کہا زیر نے بم سے بہر شگون
کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں

بجے شادیانے جو واں اُسگھڑی
ہوئی گرد پیش آ کے خلقت کھڑی

بہم مل کے بیٹھے جو شہنا نواز
بنا منہ سے پھرکی لگا اُسپہ ساز

۱۔ بار۔ دیر ۲۔ دوگانہ دو رکعت ۳۔ نوبت بجنا۔ نقارے بجنا ۴۔ بادلہ۔ ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بنا جاتا ہے۔ نقارچی زینت کے لئے اپنے نقاروں پر اسکو لپیٹتے ہیں۔
۵۔ ٹھاٹھ۔ طور۔ طریقہ۔ طرز۔ دھوم دھام۔ سامان۔ زینت۔ آرائش ۶۔ زیر۔ نیچا سُر۔ بم اونچا سُر
۷۔ نوبت جو شادی میں بجائی جاتی ہے۔ وہ آواز جو سب باجوں سے مجتمع ہو کر نکلتی ہے۔
۸۔ شہنا نواز۔ شہنا بجانے والے ۱۲۔

سر و نیر و سرپیچ[1] معمول کے ۔۔۔ خوشی سے ہوئے گال گل پھول کے
لگے لینے اُپجیں[2] خوشی سے نئی ۔۔۔ اُڑانا[3] لگا بجنے اور سگھڑئی
ٹکور[4] دمیں نوبت کی شہنا کی دُھن ۔۔۔ سگھڑ سننے والونکو کہتی تھی سُن
ترھئی[5] اور قرنا ے شادی کے دم ۔۔۔ لگے بھرنے زیل اور کھرج میں ہم
سنی جھانج[6] نے جو خوشی کی نوا ۔۔۔ تھر کنے لگا تالیونکو بجا
نئے سر سے عالم کو عشرت ہوئی ۔۔۔ کر لڑکے کے ہونیکی نوبت ہوئی
محل سے لگا تا بدیوان[7] عام ۔۔۔ عجب طرحکا اک ہوا اژدحام
چلے لیکے نذریں امیر و وزیر ۔۔۔ لگے کھینچنے زر کے توڑے فقیر
دئیے شاہ نے شاہزادے کے ناؤں ۔۔۔ مشائخ کو اور پیرزادونکو گاؤں
امیرونکو جاگیر لشکر کو زر ۔۔۔ وزیرونکو الماس لعل و گہر
خواصونکو خوجونکو جوڑے دیے ۔۔۔ پیادے جو تھے اُنکو گھوڑے دیے
خوشی میں کیا یاں تلک زر نثار ۔۔۔ جسے ایک دینا تھا بخشے ہزار
کیا بھانڈ اور بھگتیوں[8] نے ہجوم ۔۔۔ ہوئی آہ آہ مبارک کی دھوم

له سرپیچ ۔ پگڑی کے اوپر کا چھوٹا کپڑا ۔ پگڑی میں لگانے کا ایک زیور ٢ه اُپج ۔ تان ۔ بول ۔ نے ۔ سر کو ملاکر گانے والے جو چیز پیدا کرتے ہیں وہ اتپج ہے ٣ه اُڑانا ۔ اڑانا ۔ سگھڑئی ۔ سوہل ۔ بندھن دار وغیرہ شادی یا تولد کے موقع پر گائے جاتے ہیں یہ سب گانے کی چیزیں ہیں ۔ بعض کا قول ہے کہ اڈانا ایک راگ ہے جو تانسین کی ایجاد ہے ٤ه ٹکور ۔ چانٹ ۔ ہلکی ضرب ۔

٥ه ترھئی اور قرنا دو باجوں کا نام ۔ زیل چڑھا سُر ۔ کھرج اُترا سر ۔

٦ه جھانج ۔ یعنی وہ جھانج جو نقارے کے ساتھ بجاتے ہیں اور جسمیں سے تالی کی آواز بھی نکلتی ہے ۔

٧ه دیوان عام ۔ عام دربار کا مکان ۔ اژدحام ہجوم بھیڑ ۔

٨ه بھگتیا ۔ سانگیا ۔ سوانگ بھرنے والا ۔ بھگت باز وہ فرقہ جو گانے والے لڑکوں کو تعلیم دیتا ہے ناچنے والے لڑکوں کے سفردائی ۔ استاد ۔ سازندے ۔

لگا کنچنی[1] چونہ پزنی[2] تمام | کہاں تک میں لوں نرتکار[3] و نکے نام
جہاں تک کہ سازندے تھے ساز کے | دھنی[4] دست کے اور آواز کے
جہاں تک کہ تھے گائنگ[5] اور رہت کار | لگے گانے اور ناچنے ایکبار
لگے بجنے قانون[6] و بین[7] و رباب | بہا ہر طرف جوے عشرت کا آب
لگی تھاپ[8] طبلو نکی مردنگ کی | صدا اونچی ہونے لگی چنگ[9] کی
کما چو[10] نکو سارنگیو نکو بنا | خوشی سے ہر اک اونکی ترب[11] میں ملا

[1] کنچنی ۔ گدڑہی ۔ گھرچڑھی ۔ بیڑن ۔ میرشکار ۔ یہ سب کسبیوں کے فرقے ہیں ۔ انمیں بیڑن اور گھرا چڑھی ہندو فرقے ہیں ۔ گدڑہی سب سے اعلےٰ فرقہ ہے ۔
[2] چونہ پزنی ۔ چونے والی ۔ ڈومنیوں کا ایک فرقہ جو بچہ پیدا ہونے میں گانے کے لئے آتی ہیں ۔

[3] نرت کار ۔ گانے کا فن برتنے والے ۔

[4] دھنی دست کے اور آواز کے ۔ یعنی ساز بجانے والے یا گانے والے ۔
[5] گائنگ ۔ گانے والا ۔ رہتکار ۔ نرت وغیرہ بتانے والا ۔ ناچنے والا ۔
[6] قانون ۔ ایک باجے کا نام ۔
[7] بین ۔ رباب سازوں کے نام ۔ ربابیہ رباب بجانے والا ۔
[8] تھاپ ۔ چاروں انگلیوں کی آواز جو طبلے یا مردنگ سے نکلے ۔ مردنگ پکھاوج ۔
[9] چنگ وہ باجہ جو بڑی ڈفلی کی صورتیں ہوتا ہے اور اسمیں جھانج گھنگرو وغیرہ لگے ہوتے ہیں ۔ اسکے بجانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں چھلا ہوتا ہے اور دوسرے سے بجاتے ہیں چھلے والے ہاتھ سے چانٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ چنگ ستار کی قسم کا ایک باجہ ہے ۔
[10] کمانچہ ۔ سارنگی وغیرہ بجانے کا گز ۔
[11] ترب وہ کھونٹیاں جنسے ستار یا سارنگی کے تار درست کرتے ہیں ۔

لگا موم تاروں پہ مرچنگ[1] کے
ستاروں[2] کے پردے بنا کر درست
گئی بائیں[3] کی آسمان تک گمک
خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط
کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے
وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں
وہ[5] گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ
کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا
دکھانا کبھی اپنی چھب[6] مسکرا
سرکتے چمکتے ہوئے نورتن[7]
وہ دانتوں کی مسی وہ گلبرگ تر
وہ گرمی[8] کا چہرہ کہ جوں آفتاب

ملا سُر طنبوروں کے ایک رنگ سے
بجانے لگے سب وہ چالاک وچست
اٹھا گنبدِ چرخ سارا دھمک
لگے ناچنے اُس سمے اہلِ نشاط[4]
وہ پاؤں کے گھنگرو جھنکتے ہوئے
پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں
دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ
نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا
سرکتے وہ گھمڑے پہ نتھ کی پھبن
شفق میں عیاں جیسے شام و سحر
جسے دیکھکر دل کو ہو اضطراب

[1] مرچنگ ایک باجہ جو منہ میں دبا کر انگلیوں سے بجاتے ہیں۔
[2] ستاروں کے پردے یعنی سیندوری۔
[3] بایاں وہ طبلہ جو مٹی کی کونڈی پر منڈھا ہوتا ہے۔ اور دایاں وہ جو لکڑی کے ڈھانچے پر ہوتا ہے۔ گمک گمگار کی آواز۔ یہ آواز صرف بائیں میں ہوتی ہے۔ اور تھاپ اور جانٹ طبلے میں۔
[4] اہل نشاط ناچنے گانے والے۔
[5] گھٹنا بڑھنا۔ بھاؤ بتاتے ہوئے گانے والے کا آگے قدم رکھنا اور پیچھے ہٹنا۔ اسکو ادا بھی کہتے ہیں۔ آواز کی گھٹ بڑھ چھب ادا۔ گھٹ بڑھ کو چال بھی کہتے ہیں بہترین چال کی نقل جو ناچ میں کیجاتی ہے وہ مٹک کی چال ہے۔
[6] چھب آرائش۔ ناز و انداز [7] نورتن ایک زیور جو بازو پر باندھا جاتا ہے۔
[8] گرمی کا چہرا۔ خوشی کے جوش میں تمتماتا چہرا۔

چمکنا گلو کا صفا کے سبب — وہ گردن[1] کے ڈورے قیامت غضب
کبھی منھ کے تئیں پھیر لینا اُدھر — کبھی چوری چوری سے کرنا نظر
دوپٹے کو کرنا کبھی منھ کی اوٹ[2] — کہ پردے میں ہو جاوے دل لوٹ پوٹ
ہر اک تان میں اُنکو ارمان یہ — کہ دل لیجیے تان[3] کی جان یہ
کوئی فن میں سنگیت[4] کے شعلہ رو — برم[5] جوگ لچھمی کے لے بر[6] لمو
کوئی ڈیڑھ گت ہی میں پاؤں تلے — کھڑی عاشقوں کے دلوں کو ملے
کوئی دائرے[7] میں بجا کر پرن دکھا — کوئی دھمدھمی[8] میں جتا اپنا فن
غرض ہر طرح دل کو لینا اُنھیں — نئی طرح سے داغ دینا اُنھیں

لہ گردن کے ڈورے۔ وہ جنبش جو ناچنے والا گردن کو دیتا ہے اور سر سینے وغیرہ کو اس سے جنبش نہیں ہوتی کہا گیا ہو کر یہ ادا بگلے سے لی گئی ہے۔ جیسے کہ وہ شکار کرنے میں گردن کو خفیف اور خوبصورت جنبش دیتا ہے اسیطرح ناچنے والا بھی کرتا ہے۔

لہ اوٹ آڑ۔

سہ تان کی جان۔ یعنی تان کا حاصل۔

سہ سنگیت فن رقص کے متعلق ایک چیز جسے بڑے گانے والے اور ناچنے والے سیکھتے ہیں۔

شہ برم۔ جوگ۔ لچھمی۔ سواری۔ ہٹ منگل۔ سول۔ جھپ تالا۔ اکتالا۔ آڑا چوتالا۔ جھومرا۔ تلوارا۔ چاچر۔ یہ سب تالیں طبلے اور پکھاوج سے بجتی ہیں۔

لہ بر لمو۔ ناچنے والوں کے یہاں چند ٹکڑے ہیں جو پاؤں سے نکالتے ہیں طبلے اور پکھاوج میں اُن کا جواب ہاتھ سے نکالا جاتا ہے۔

سہ دائرہ۔ ایک قسم کی بڑی دفلی کی طرح ہوتا ہے جس سے پرن نکلتی ہے۔ ناچنے والے اُسے پیر کی جنبش سے نکالتے ہیں۔ پکھاوج میں ہمیشہ پرن بجتی ہے۔

شہ دھمدھمی ایک قسم کی ڈفلی۔ خنجری دھمدھمانا زور سے پاؤں زمین پر مارنا اور اس سے آواز نکالنا۔ اس صورت میں دھمدھمے بھی پڑھا جاتا ہے۔ بعض نے دھمڑھمی بنایا ہے۔

کبھی مار ٹھوکر کریں قتل عام | کبھی ہاتھ اُٹھالیویں گر تو نکو تھام
کہیں دھرپت[1] اور گیت کا شور و غل | کہیں قول و قلبانہ[2] و نقش و گل
کہیں بھانڈ اور لولیو[3] نکا سمان | کہیں ناچ کشمیریو[4] نکا وہاں
بجیرا پکھاوج گلے ڈال ڈھول | بجاتے تھے اُسجا کھڑے باندھ غول
محل میں جو دیکھو تو اک اژدہام | مبارک سلامت کی تھی دھوم دھام
پری پیکر و نکا ہر اک جا ہجوم | وہاں بھی پڑی عیش و عشرت کی دھوم
چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات | کہ دن عید اور رات تھی شب برات
بڑھا ابر ہی ابر میں جوں ہلال | محل میں لگا پلنے وہ نونہال
برس گانٹھ[5] جس سال اسکی ہوئی | دل بستگان کی گرہ کھلگئی
وہ گل جبکہ چوتھے برس میں لگا | بڑھایا[6] گیا دودھ اُس ماہ کا
ہوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی دھوم | اُسیطرح سے پھر ہوا وہاں ہجوم
طوائف وہی اور وہی راگ و رنگ | ہوئی بلکہ دونی خوشی کی ترنگ
وہ گل پانوؤں سے اپنے جسجا چلا | وہاں آنکھ کو نرگسوں نے ملا

۱ دھرپت۔ درپد۔ اسکو اتنک بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف چوتالے پر گائی جاتی ہے۔ اسمیں تان مُرکی زمزمہ نہیں لیا جاتا بلکہ اسمیں صرف بول کی اپج ہوتی ہے۔
۲ قول و قلبانہ۔ وہ چیز جو قوال بچے اپنا گانا شروع کرتے وقت گاتے ہیں۔ ۳ لولی۔ رنڈی۔
۴ کشمیری۔ ایک ناچنے گانے والا فرقہ۔ ۵ برس گانٹھ۔ سالگرہ۔
۶ دودھ بڑھانا۔ بچہ کا دودھ چھڑانا۔

لگا پھرنے وہ سرو جب پاؤں پاؤں	گیے بردے[۱] آزاد تب اُسکے ناؤں

داستان طیاری میں باغ کی

مئے ارغوانی پلا ساقیا	کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا[۸]
دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ	ہوا رشک سے جسکے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان	لگے جسمیں زربفت کے سائبان
چھتیں اور پردے بندھے زرنگار	دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈوریے سے در پہ اٹکا ہوا	کوئی زہ[۲] پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مقیش[۳] کی ڈوریاں سر بسر	کہ مہ کا بندھا جسمیں تار نظر
چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال	نگہ کو وہاں سے گذرنا محال
سنہری مغرق[۴] چھتیں ساریاں[۵]	وہ دیوار اور در کی گلکاریاں
دیے ہر طرف آئنے جو لگا	گیا چوگنا لطف اُسمیں سما
وہ مخمل کا فرش اُسکا ستھرا کہ بس	بڑھے جسکے آگے نہ پاے ہوس
رہیں لخلخے[۶] اُسمیں روشن مدام	معطر شب و روز جس سے مشام
چھپرکھٹ[۷] مرصع کا دالان میں	چمکتا تھا اسطرح ہر آن میں
زمیں پر تھی اِس طور اُسکی جھمک	ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

۱ بردہ۔ لونڈی غلام ۲ زہ ڈوری۔ کنارہ ہر چیز کا ۱۲ ۳ مقیش۔ زری۔ سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا ۱۲ ۴ مغرق۔ جگمگاتا۔ چمکتا چاندی سونے میں لپا ہوا ۱۲ ۵ ساریاں ساری کی جمع۔ اب اس معنی میں اسطرح نہیں لکھتے ۶ لخلخہ۔ خوشبودار بتیاں وغیرہ ۷ چھپرکھٹ۔ مرصع کا جڑاؤ بڑی مسہری ۸ دل چلا۔ یعنی آمادہ ہوا ۱۲

زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں | کہ صندل کا تھا ایک تختہ عیاں
بنی سنگ مرمر کی چوپڑ[1] کی نہر | گئی چار سو اُسکے پانی کی نہر
قرینے سے گرد اُسکے سروِ سہی[2] | کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی
کہوں کیا میں کیفیت دار بست[3] | لگائے رہیں تاک واں مے پرست
ہوا سے بہاری سے گل لہلہے[4] | چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے[5]
زمرد کے مانند سبزے کا رنگ | روش پر جواہر لگے جیسے سنگ
روش کی صفائی پہ بے اختیار | گل اشرفی[6] نے کیا زر نثار
چمن سے بھرا باغ گل سے چمن | کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن[7]
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا | کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا
کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشان | مدن بان[8] کی اور ہی آن بان
کہیں ارغواں[9] اور کہیں لالہ زار | جُدی ہی اپنے موسم میں سبکی بہار
کہیں جعفری[10] اور گیندا کہیں | سماں شبو داؤدی[11] بو نکا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار | ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار
کھڑے سرو کیطرح چنبے کے جھاڑ | کہے تو کہ خوشبو یو نکے پہاڑ
کہیں زرد نسریں[12] کہیں نسترن[13] | عجب رنگ پر زعفرانی چمن

[1] چوپڑ کی نہر۔ چار خانہ دار۔ چار طرف بہنے والی [2] سرو سہی۔ سیدھا سرو [3] دار بست انگور وغیرہ کی بیل چڑھانے کی ٹٹی [4] لہلہا۔ شاداب [5] ڈہڈہا۔ سرسبز شاداب [6] ایک قسم کا گول زرد پھول [7] یاسمن۔ چنبیلی ۱۲ [8] مدن بان۔ بیلے کی قسم کا ایک پھول [9] ارغواں سرخ رنگ کا ایک پھول۔ [10] ایک قسم کا زرد گیندے کا سا پھول۔ بعض گیندا اور بعض جعفری و اشرفی کو ایک جانتے ہیں۔ [11] داؤدی ایک قسم کا زرد اور سفید رنگ کا پھول اسکو گل داؤدی بھی کہتے ہیں ۱۲ [12] نسریں ایک پھول جسے مشکیجہ بھی کہتے ہیں ۱۲ [13] نسترن ایک پھول جسکو سیوتی کہتے ہیں ۱۲

پڑی آب جو ہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اُسی اپنے عالم میں منھ چومنا

وہ جھک جھک کے گرنا خیاباں پر
نشے کا سا عالم گلستان پر

لیے ہاتھ میں بیلچے مالنیں
چمن کو لگیں دیکھنے بھالنیں

کہیں تخم پاشی کریں گود کر
پنیری جمادیں کہیں کھود کر

کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال

لب جو یہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جدنہ تد

خراماں صبا صحن میں چارسو
دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو

کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے
لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے

صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور

چمن آتش گل سے دہکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا

صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول
پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں
لگی جائیں آنکھیں لیے جسکا ناؤں

خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں
تعشق کی آپس میں باتیں کریں

درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کریں طوطیاں بوستاں کا سبق

سماں قمریاں دیکھ اُس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستان کا

ددائیں دائیاں اور مغلانیاں
پھریں ہر طرف اُس محل جلوہ کناں

---

۵۱ خیابان۔ باغ کے بیچ کا راستہ۔ کیاری ۵۲ چھوٹی پور ۵۳ جب نہ تب۔ مراد گاہ و بیگاہ ۵۴ قاز۔ دریائی بط
۵۵ قرقرا۔ ایک آبی پرند ۵۶ ددا۔ وہ عورت جو بچوں کی خدمت پر مقرر ہو۔
۵۷ دائی۔ جنائی۔ وہ عورت جو میکے سے عروس کے ساتھ خدمت کرنے کے لئے آتی ہے
۵۸ مغلانی وہ عورت جسکے سپرد سینے پرونے کی خدمت ہو ۵۹ آنکھ لگنا نیند آنا ۱۲

خواصوں[1] کا اور لونڈیوں[2] کا ہجوم ۔۔۔ محل کی وہ چہلیں[3] وہ آپس کی دھوم
تکلف کے پہنے پھریں سب لباس ۔۔۔ رہیں رات دن شاہزادے کے پاس
کنیزان مہرو کی ہر طرف ریل[4] ۔۔۔ چنبیلی[5] کوئی اور کوئی رائے بیل
رنگیلی[6] کوئی اور کوئی شام روپ ۔۔۔ کوئی چت لگن اور کوئی کام روپ
کوئی کیتکی اور کوئی گلاب ۔۔۔ کوئی مہرتن اور کوئی ماہتاب
کوئی سیوتی اور ہنس مکھ کوئی ۔۔۔ کوئی دل لگن اور تن سکھ کوئی
ادھر اور ادھر آتیاں[7] جاتیاں ۔۔۔ پھریں اپنے جوبن کو دکھلاتیاں
کہیں اپنے پٹے[8] سنوارے کوئی ۔۔۔ اڑی[9] اور تڑی کہہ پکارے کوئی
کہیں چٹکیاں اور کہیں تالیاں ۔۔۔ تہاتے کہیں اور کہیں گالیاں
بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے ۔۔۔ کہیں ہورہی اور کہیں واچھڑے[10]
دکھا دے کوئی گوکھرو[11] موڑ موڑ ۔۔۔ کہیں سوت بوٹے کہیں تار توڑ[12]
ادا سے کوئی بیٹھی حقہ پیے ۔۔۔ دم دوستی کوئی بھر بھر جیے
کوئی حوض میں جاکے غوطہ لگائے ۔۔۔ کوئی نہر پر پاؤں بیٹھی ہلائے
کوئی اپنے طوطے کی لیوے خبر ۔۔۔ کوئی اپنی مینا پہ رکھے نظر
کسیکو کوئی دھول[13] مارے کہیں ۔۔۔ کوئی جان کو اپنی وارے کہیں

---

[1] خواص ممتاز خدمتگار عورتیں۔ مصاحبت کرنیوالی عورتیں [2] لونڈی۔ باندی [3] چہل ہنسی مذاق [4] ریل۔ ہجوم بھیڑ [5] چنبیلی۔ رائے بیل۔ چنپا وغیرہ نام اس قسم کی عورتوں کے ہوتے ہیں جو امرا کی خدمتگاری میں رہتی ہیں ۱۲
[6] یہ سب بھی عورتوں کے نام ہیں اس کے بعد کے دو شعر و نیز بھی نام ہیں ۱۲ [7] آتیاں جاتیاں۔ دکھلاتیاں۔ یہ جمعیں ہیں جواب اسطرح نہیں بولتے ۱۲
[8] پٹے۔ تراشے ہوئے بال دلی میں ملے مخلوطہ کے ساتھ بولتے ہیں ۱۲ [9] اڑی اور تڑی زبان عوام میں مستعمل ہے [10] واچھڑے قدیم کا ایک طنزیہ کلمہ ہے جو واہ جی خوش کی جگہ مستعمل تھا اب اس طرح نہیں بولتے [11] گوکھرو۔ تکمنتا موڑا ہوا گوٹا [12] تار توڑ۔ ایک قسم کا کار چوبی کا کام [13] دھول۔ دھپ۔ چانٹا۔ تھپڑ۔

کوئی آرسی اپنے آگے دھرے — ادا سے کہیں بیٹھی کنگھی کرے
مقابل[1] کوئی کھول مسی لگائے — لبوں پر دھڑی[2] کوئی اپنے جمائے
ہوا اُن لگوں سے دوبالا سماں — اُسی باغ میں تھا وہ سرو رواں یہ بھی باغ
غرض لوگ تھے یہ جو ہر کام کے — یہ سب واسطے اُسکے آرام کے
پلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ — پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ
ہوئی اُسکے مکتب[3] کی شادی عیاں — ہوا پھر اُنھیں شادیو نکا سماں
معلم اتالیق[4] منشی ادیب — ہر اک فن کے استاد بیٹھے قریب
کیا قاعدے سے شروع کلام — پڑھانے لگے علم اُسکو تمام
دیا تھا زبس حق نے ذہنِ رسا — کئی سال میں علم سب پڑھ چکا برس
معانی و منطق بیان و ادب — پڑھا اُسنے منقول[5] و معقول سب
خبردار حکمت کے مضمون سے — غرض جو پڑھا اُسنے قانون[6] سے
لگا ہیئت[7] و ہندسہ[8] تا نجوم[9] — زمین آسماں میں پڑی اُسکی دھوم
کیے علم نوکِ زبان حرف حرف — اِسی نحو[10] سے اُسنے کی عمر صرف[11]
عطارد[12] کو آنے لگی اُسکی ریس[13] — ہوا سادہ لوحی[14] میں وہ خوشنویس

---

[1] مقابلہ۔ سنگاردان [2] دھڑی جمانا۔ ہونٹوں پر مسی کی تہ جمانا [3] مکتب کی شادی۔ تقریب۔ بسم اللہ خوانی
[4] اتالیق۔ ادب سکھانے والا۔ [5] منقول۔ علم حدیث وغیرہ۔ معقول منطق فلسفہ وغیرہ [6] قانون
قاعدہ اور ایک کتاب کا نام جو بوعلی سینا کی تصنیف ہے ۱۲
[7] ہیئت۔ وہ علم جسمیں اجرام فلکی اور گردش زمین وغیرہ کا بیان ہوتا ہے ۱۲
[8] ہندسہ۔ مراد علم ریاضی [9] نجوم۔ جوتش [10] نحو۔ طریقہ۔ ایک علم کا نام [11] صرف۔ خرچ۔
ایک علم کا نام [12] عطارد۔ ایک ستارہ جسے منشی فلک بھی کہتے ہیں ۱۲۔
[13] ریس۔ حرص ۱۲۔
[14] سادہ لوحی بھولا پن۔ یہاں مراد بچپن اور امردی کے زمانے سے ہے ۱۲۔

ہوا جبکہ نو خط[۱] وہ شیریں[۲] رقم
بڑھا کر لکھے سیاہت سے نو قلم

لیا ہاتھ جب خامۂ مشکبار
لکھا نسخ در یحاں[۳] و خط غبار

عروس الخطوط اور ثلث و رقاع
خفی اور جلی مثل خطِ شعاع

شکستہ لکھا اور تعلیق جب
رہے دیکھ حیران اتالیق سب

کیا خط گلزار سے جب فراغ
ہوا صفحۂ قطعہ گلزار باغ

کروں علم اُسکا کہاں تک بیان
کہ ہو خوب اب مختصر یہ بیان

کماں کے جو در پے ہوا بے نظیر
لیا کھینچ چلے[۴] میں سب فن تیر

صفائی میں سوفار[۵] پیکان کیا
گیا جبکہ تو دہ پہ طوفان کیا

رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی[۶] پہ من
کیا اپنے قبضہ میں سب اُسکا فن

ہوئیں دست و بازو کی سرسائیاں[۷]
اوڑائی گئیں ہاتھ میں گھائیاں[۸]

رکھا موسیقی[۹] پر جو کچھ بھی خیال
کیے قید سب اُسنے ہاتھوں میں تال[۱۰]

طبیعت گئی کچھ جو تصویر پر
رکھے رنگ سب اُسکے مدِ نظر

کئی دن میں سیکھا یہ کسبِ تفنگ
کہ حیراں ہوئے دیکھ اہل فرنگ

سو ان کمالوں کے کتنے کمال
مروت کی خو آدمیت کی چال

غرض رذالوں[۱۱] سے نفروں سے نفرت اُسے
سدا آقا بلوں سے تھی صحبت اُسے

گیا نام پر اپنے وہ دلپذیر
ہر اک فن میں سچ مچ ہوا بینظیر

---

[۱] نو خط۔ سبزہ آغاز [۲] شیریں رقم بہترین خوشنویسوں کا خطاب ہوتا ہے ۱۲ [۳] نسخ۔ ریحاں۔ خط غبار عروس الخطوط۔ خط ثلث۔ رقاع۔ خط شکستہ یہ سب خطوں کے نام ہیں جنکی تفصیل خوشنویسی کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہے ۱۲ [۴] چلہ۔ چالیس دن کی مدت۔ گوشہ کمان کا حلقہ جسکو چڑھا کر کمان کھینچتے ہیں [۵] سوفار۔ تیر کا وہ سوراخ یا نشگاف جو تیر کے گز میں جسطرف سے کمان میں رکھتے ہیں اسی جانب ہوتا ہے اور اُسے چلاتے وقت چلے میں رکھکر چھوڑتے ہیں ۱۲ [۶] لکڑی یعنی پھکیتی کا فن۔ [۷] سرسائی۔ سر پر وار کرنا [۸] گھائیاں اُڑانا۔ پٹے بازوں کی اصطلاح۔ ایک قسم کی ضرب معین جو باہم مشق میں لگاتے ہیں۔ [۹] علم موسیقی گانے بجانے کا فن [۱۰] تال گانے بجانے کا وزن۔ [۱۱] رذالے لوگ چھوٹے درجے کے کمینے آدمی ۱۲

داستان سواری کی تیاری کے حکم میں

پلا ساقیا مجھکو اک جام گل — جوانی پہ آیا ہے ایام گل
غنیمت[1] شمر صحبت دوستان — کہ گل پنجروز ست در بوستان
ثمر لے بھلائی کا گر ہو سکے — شتابی سے بو لے جو کچھ بو سکے
کہ رنگ چمن پر نہیں اعتبار — یہاں چرخ[2] میں ہے خزاں و بہار
پڑی جب گرہ بارھویں سالکی — کھلی گلجھڑی[3] غم کے جنجال کی
کہا شہ نے بلوا نقیبوں کو شام — کہ ہوں صبح حاضر سبھی خاص و عام
سواری تکلف سے تیار ہو — مہیا کریں جو کہ درکار ہو
کریں شہر کو ملکے آئینہ[4] بند — سواری کا ہو لطف جس سے دوچند
رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر — کہ نکلیگا کل شہر میں بے نظیر
یہ فرما محل میں گیا بادشاہ — نقیبوں نے سن حکم لی اپنی راہ
ہوئی شب لیا مہ نے جام شراب — گیا سجدۂ شکر میں آفتاب
خوشی میں گئی جلد شب جو گذر — ہوئی سامنے سے نمایاں سحر
عجب شب تھی وہ جوں سحر روسپید — عجب روز تھا مثل روز امید
گیا مژدۂ صبح لے ماہتاب — اُٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب
کہا شاہ نے اپنے فرزند کو — کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو

[1] دوستوں کی صحبت کو غنیمت جان۔ کیونکہ پھول باغ میں بہت کم مدت تک رہتا ہے ۱۲ [2] چرخ دورہ۔ گردش [3] گلجھڑی۔ گتھی [4] آئینہ بندی اسطرح کیجاتی ہے کہ جابجا ٹٹیوں میں آئینے لگاتے ہیں ۱۲۔

داستان حمام میں نہانیکی لطافت میں

پلا آتشیں آب پیر مغاں | کہ بھولے مجھے گرم و سرد جہاں
اگر چاہتا ہے مرے دلکو چیں | نہ دینا وہ ساغر جو ہو قلتیں[۱]
کدورت مرے دلکی دھو ساقیا | ذرا شیشۂ مے کو دھو دھا کے لا
کہ سرگرم حمام ہے بے نظیر | گیا ہے نہانے کو بدر منیر
ہوا جبکہ داخل وہ حمام میں | عرق آگیا اُسکے اندام میں
تن نازنیں نم ہوا اُسکا کل | کہ جسطرح ڈوبے ہے شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لنگیاں | مہ و مہر سے طاس لیکر وہاں
لگیں ملنے اُس گلبدن کا بدن | ہوا ڈہڈہا[۲] آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک | برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر | نظر آئے جیسے وہ گلبرگ تر
ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس | کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس
لگا ہونے ظاہر جو اعجاز حسن | ٹپکنے لگا اُس سے انداز حسن
گیا حوض میں جو وہ شہ بینظیر | پڑا آب میں عکس ماہ منیر
وہ گورا بدن اور بال اُسکے تر | کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
نمی سے تھا بالونکا عالم عجب | نہ دیکھی کوئی خوبتر اُس سے شب
کہوں اُسکی خوبی کی کیا تجھسے بات | کہ جون بھیگتی[۳] جائے صحبت میں رات

۱؎ قلتیں۔ مجازاً اَدھورا۔ ۲؎ ڈہڈہا: رنگ کی چمک دمک تیتاہٹ ایک قسم کی خاص چمک ۳؎ رات بھیگنا رات کا ابتدائی حصہ گزرنے کے بعد کچھ خنکی ہو جاتی ہے اُسکو رات بھیگنا کہتے ہیں ۱۲۔

زمیں پر تھا اک موجۂ نور خیز
زمرد کے سلے ہاتھ میں سنگ پا[1]
ہنسا کھلکھلا وہ گل نو بہار
عجب عالم اُس نازنیں پر ہوا
ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے
دعائیں لگے دینے بے اختیار
کہ تیری خوشی سے ہے سبکی خوشی
نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل
کیا غسل جب اس لطافت کیساتھ
نہادھو کے نکلا وہ گل اسطرح
غرض شاہزادیکو نہلا دھلا
جواہر سراسر پنھایا اُسے
کڑے کنگن اور کلغی اور نورتن
مرصع کا سرپیچ جوں موج آب
وہ موتی کے مالے[5] بصد زیب و زین
جواہر کا تن پر عجب تھا ظہور
غرض ہو گئے اسطرح آراستہ
نکل گھر سے جسدم ہوا وہ سوار

ہوا جب وہ فوارہ ساں آبریز
کیا خادموں نے جو آہنگ[2] پا
لیا کھینچ پانوکو بے اختیار
اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا
ہوئے جی سے قربان چھوٹے بڑے
کہا خوش رکھے تجھکو پروردگار
مبارک تجھے روز و شب کی خوشی
چمکتا رہے یہ فلک کا سہیل[3]
اوڑھا کھیس[4] لائے اُسے ہاتھوں ہاتھ
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جسطرح
دیا خلعت خسروانہ پنھا
جواہر کا دریا بنایا اُسے
کیا ایک سے ایک زیب بدن
منور بشکل رخ آفتاب
کہیں جسکو آرام جاں دلکا چین
کہ اک اک عدد[6] اُسکا تھا کوہ طور
خراماں ہوا سرو نوخاستہ
کیے خوان گوہر کے اُس پر نثار

[1] سنگ پا - جھانواں [2] آہنگ - ارادہ [3] ایک ستارہ - جسکے نکلنے کی خاصیت سے یمن میں چمڑا خوشبودار ہو جاتا ہے [4] کھیس - ایک قسم کی موٹی چادر [5] مالا - ہار [6] عدد - جواہر و زیور وغیرہ کے لئے بولتے ہیں -

زبس تھا سواری کا باہر ہجوم
ہوا جبکہ ڈنکا[۱] پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار

سنہری روپہلی[۲] تھیں عماریاں
شب و روز کی سی طرحداریاں

چمکتے ہوے بادلے کے نشاں
سواروں کے غٹ[۳] اور بانوں کی شاں

ہزاروں ہی اطراف میں پالکی
جھلابور[۴] کی جگمگی نالکی[۵]

کہاروں کی زربفت کی کرتیاں
اور انکے دبلے پانوں کی پھرتیاں

بندھیں پگڑیاں تاش[۱۰] کی سر اوپر
چکا چوندھ میں جس سے آوے نظر

وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے
جھلک جسکی ہر ہر قدم پر پڑے

وہ ماہی مراتب[۶] وہ سرور رواں
وہ نوبت کہ دولہا کا جیسے سماں

وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما
سہانی وہ نوبت کی اُس میں صدا

وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم باقدم[۷] با لباس زری

بجاتے ہوے شادیانے تمام
چلے آگے آگے سلے شادکام

سوار اور پیادہ وہ صغیر و کبیر
جلو[۸] میں تمامی امیر اور وزیر

وہ نذریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں
شہ و شاہزادیکو گذرانیاں

ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباس زری میں ملبس[۹] تمام

---

۱ ڈنکا ہونا۔ نقارہ بجنا ۲ روپہلی۔ نقرئی ۳ غٹ۔ بھیڑ ۴ جھلابور۔ چمکدار ۵ نالکی۔ ایک قسم کی کھلی سواری۔ تام جھام ۶ ماہی مراتب۔ دو اعزازی نشان جو بادشاہوں کی سواری کے آگے لیکر چلتے ہیں ۱۲ ۷ قدم باقدم یعنی قدم سے قدم ملائے ہوئے ۱۲
۸ جلو۔ ہمراہی۔ ساتھ ۱۲ ۹ لباس پہنے ہوے ۱۲ ۱۰ تاش۔ ایک قسم کا ریشمی زری کا کپڑا۔ زربفت بادلہ۔

طرق کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ادھر اودھر کچھ درے کچھ پرے

مرصع کے سازو نسے کوتل سمند
کہ خوبی میں روح القدس سے دوچند

وہ فیلوں کی اور میگھڈنبر کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائبان

چلے پایۂ تخت کے ہو قریب
بدستور شاہانہ نیتے جریب

سواری کے آگے پے اہتمام
لیے سونے روپے کے عاصے تمام

نقیب اور جلو دار اور چوبدار
یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار

اُسی اپنے معمول و دستور سے
ادب سے تفاوت سے اور دور سے

یلانو جوانو بڑھے جائیو
دو جانب سے باگیں لیے آئیو

بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم

غرض اسطرح سے سواری چلی
کہے تو کہ باد بہاری چلی

تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم
کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم

لگا قلعے سے شہر کی حد تلک
دوکانوں پہ تھی بادلے کی جھمک

منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در
تمامی تھا وہ شہر سونیکا گھر

کیا تھا زبس شہر آئینہ بند
ہوا چوک کا لطف واں چار چند

۱ طرق سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اہتمام سواری کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں نقیب وغیرہ ۲ درے - ادھر ۳ پرے - اسطرف - ادھر ۴ کوتل وہ سجا ہوا گھوڑا جو خالی سواری کے ساتھ ساتھ محض زینت کے لئے چلتا ہے ۵ روح القدس حضرت جبریل ۶ میگھڈنبر - ایک قسم کا لکڑی کا مکان جسمیں شاہان اودھ سفر کرتے تھے اس مکان میں قلابے لگے ہوتے تھے جو ہاتھیوں کی زنجیروں سے بندھے ہوتے تھے یہ مکان ہاتھی لیکر چلتے تھے اور اس غرض سے کہ حرکت نہ ہو بیکڑوں کہار نیچے سے اسکو اُٹھائے ہوتے تھے نیس کی طرح اسمیں ڈنڈے لگے ہوتے تھے ۱۲ ۷ عاصے ۸ چوبدار وہ نوکر جو سونے چاندی کے خول چڑھے ہوئے عصا لیکر بادشاہوں کے آگے چلتے تھے - ۹ یلانو یعنی پہلوانو -
۱۰ تمامی - ایک ریشمی کپڑے کا نام ۱۲ -

رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جوں مرد و زن
یہ خالق کی سُن قدرتِ کاملہ
لگا لنج سے تا ضعیف و نحیف
وحوش و طیوروں تلک بے خلل
نہ پہونچا جو اک مرغِ قبلہ نما
زبس شاہزادہ بہت تھا حسین
نظر جسکو آیا وہ ماہِ تمام
دعا شاہ کو دی کر بار اگہ
یہ خوش اپنے مہ سے رہے شہریار
غرض شہر سے باہر اک سمت کو
گھڑی چار تک خوب سی سیر کر
اُسی کثرتِ فوج سے ہو سوار
سواری کو پہونچا گئی فوج اُدھر
جہانتک کہ تھیں خادمانِ محل
قدم اپنے حجرے سے باہر نکال
بلائیں لگیں لینے سب ایکبار
گیا جب محل میں وہ سرور واں

گذرتی تھی رُک رُک کے ہر جایگاہ
ہراک سطح تھی جوں زمین چمن
تماشے کو نکلی زنِ حاملہ
تماشے کو نکلے وضیع و شریف
پڑے آشیانوں سے اپنے نکل
سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا
ہوئے دیکھ عاشق کہیں و نہیں
کیا اُسنے جھک جھک کے اُسکو سلام
سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ
کہ روشن رہے شہر پروردگار
کوئی باغ تھا شہ کا اُسمیں سے ہو
رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر
پھرا شہر کیطرف وہ شہریار
گئے اپنی منزل میں شمس و قمر
خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل
کیا سب نے آ پیشوا حال حال
کیا جی کو یکدست سب نے نثار
بندھا ناچ اور راگ کا واں سماں

لہ وضیع - ادنے اور چھوٹے لوگ ٢ه وحوش وحشی کی جمع ٣ه طیور طیر کی جمع طیوروں جمع الجمع ٤ه مرغ قبلہ نما ایسے دو سونا جو قبلہ نما میں ہوتی ہے اور ہمیشہ قبلہ رخ رہتی ہے ۵ه پیشوا - پیشوائی - استقبال ٦ه یکدست سراسر -

پہر رات تک پہنے پوشاک وہ
تھا رادہ شب تھی شب چار دہ
نظارے سے تھا اُسکے دل کو سرور
عجب لطف تھا سیر مہتاب کا
ہوا شاہزادے کا دل بیقرار
کچھ آئی جو اُس مہ کے جیسیں ترنگ
خواصوں نے جا شاہ سے عرض کی
ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا
کہا شہ نے اب تو گئے دن نکل
پر اتنا ہو اُس سے خبردار ہوں
لب بام پر جب وہ سوئے صنم
تھا رام ا بول بالا رہے
کہا تب خواصوں نے حق سے ملا
پھریں حکم لے وانسے پھر شاہ کا
قضا را وہ دن تھا اُسی سال کا
سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم
بڑے اپنے جو سب عیش بیچ
یہ جانا کہ یونہیں رہیگا یہ دور
کہ اس بیوفا کی نئی ہو ترنگ

رہا ساتھ سب کے طربناک وہ
پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ
عجب عالم نور کا تھا ظہور
کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا
یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار
کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ
کہ شہزادی کی آج یوں ہے خوشی
کہ بھایا ہے عالم لب بام کا
اگر یوں ہے مرضی تو کیا ہے خلل
جنھوں نکی ہو چوکی وہ بیدار ہوں
کریں سورۂ نور کو اُسپہ دم
یہ اس گھر کا قایم اوجالا رہے
یہی ہے کہ ہم بھی رہیں روسپید
بچھونا وہیں جا کیا ماہ کا
غلط وہم ماضی میں تھا حال کا
کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم
نہ سمجھے زمانیکی کچھ اونچ نیچ
زمانے کا سمجھا اُنھوں نے نہ طور
یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دم میں رنگ

۱ سیماب پارہ ۲ مراد پہرہ ۳ بول بالا عزت۔ آبرو۔ عروج ۴ مقولہ مولانا روم ۵ چون قضا آید طبیب ابلہ شود ۱۲

کرا[۱] بادۂ عیش در جام ریخت — کہ صد شام بر فرق صبحش نریخت
ندارد[۲] تعجب ز نیرنگ دہر — کہ آرد ز یک حقہ تریاک و زہر

داستان شاہزادے کے کوٹھے پر سونیکی اور پری کے اڑا لیجانیکی

شتابی سے اُٹھ ساقیٔ سیمبر — کہ چاروں طرف ماہ ہے جلوہ گر
بلوریں گلابی میں دے بھر کے جام — کہ آیا بلندی پہ ماہ تمام
جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ سن — مثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن
اگر مے کے دینے میں کچھ دیر ہے — تو پھر جانیو یہ کہ اندھیر ہے
وہ سونیکا جو تھا جڑاؤ پلنگ — کہ سیمیں تنوں کو ہو جسپر اُمنگ
سراسر اوچھے[۳] زری بان کے — کہ تھے رشک آئینۂ صاف کے
کھنچی چادر اک اُسپہ شبنم[۴] کی صاف — کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف
کسے اُوسپہ کسنے[۵] وہ مقیش کے — کہ جھبوں[۶] میں تھے جسکے موتی لگے
دھرے اُسپہ تکیے کئی نرم نرم — کہ مخمل کو ہو جسکے دیکھے سے شرم
کہاں تک کوئی اُنکی خوبی کو پائے — جسے دیکھ آنکھوں کو آرام آئے
وہ گل تکیے[۷] اُسکے جو تھے رشک ماہ — کہ ہر وجہ تھی اُنکو خوبی میں راہ

۱ آسماں نے کسکے پیالے میں شراب عیش دی ہے کہ اُسکی صبح کے سر پر سو شامیں نہیں ڈالیں - یعنی پھر اسکو تکلیف نہیں پہنچائی ہو۔ ۲ تو زمانے کی نیرنگی سے تعجب نہ کر کہ یہ ایک ہی ڈبے میں تریاق اور زہر رکھتا ہے ۱۲
۳ اوچھے صاف سفید چادر جسکے کنارے پر کام ہوتا ہے اور بچھانے کے کام آتی ہے -
۴ شبنم ایک باریک کپڑا ۔ ۵ کسنا پلنگ کسنے کی ڈوری - کسنے جمع -
۶ ایک قسم کا پھندنا - جھبا ۱۲ -
۷ ایک قسم کے چھوٹے گول تکیے جو رخسار کے نیچے رکھے جاتے ہیں ۱۲ -

کبھی نیند میں جبکہ ہوتا تھا وہ | تو رخسار رکھ اُسپہ سوتا تھا وہ
چھپائے سے ہوتا نہ حسن اُسکا ماند | دیے تھے لگا اُسنے ٹکڑے کو چاند
ہوئی دونوں کے حسن کی ایک جوت[1] | کہ جیسے ہوں دو چشموں کے ایک سوت
زبس نیند میں تھا جو وہ ہو رہا | بچھونے پہ آتے ہی وہ سو رہا
وہ سویا جو اس آن سے بے نظیر | رہا پاسبان اُسکا بدر منیر
ہوا اُسکے سونے پہ عاشق جو ماہ | لگا دی اِدھر اُسنے اپنی نگاہ
وہ مہ اُسکے کوٹھے کا ہالہ ہوا | غرض وانکا عالم دوبالا ہوا
وہ پھولونکی خوشبو وہ ستھرا پلنگ | جوانی کی نیند اور وہ سونیکا رنگ
جہانتک کہ چوکی کے تھے باری دار[2] | ہوا جو چلی سو گئے ایک بار
غرض سبکو واں عالم خواب تھا | مگر جاگتا ایک مہتاب تھا
قضارا ہوا اک پری کا گذر | پڑی شاہزادے پہ اُسکی نظر
بھبھوکا[3] سا دیکھا جو اُسکا بدن | جلا آتش عشق سے اُسکا تن
ہوئی حسن پر اُسکے جی سے نثار | وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اُتار
جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں | منور ہے سارا زمیں آسمان
دوپٹے کو اُس مہ کے منہ سے اٹھا | دیا گال سے گال اپنا ملا
اگرچہ ہوئی تھی زیادہ ہوس | ولیکن حیا نے کہا اُسکو بس
مے عشق میں پھر یہ سوجھی ترنگ | کہ لیچلیے اسکا امانت پلنگ
محبت کی آئی جو دلمیں ہوا | وہاں سے اُسے لے اُڑی دلربا
ہوا جب زمیں سے وہ شعلہ بلند | ہوا میں ستارہ سا چمکا دو چند

۱ جوت - روشنی - اُجالا ۲ باری دار - نمبر دار پہرہ چوکی دینے والے ۳ بھبوکا - آگ کا شعلہ

شب مہ میں دونوں زمیں سے اُٹھا / چلے شیر جسطرح سے جوش کھا
جلے رشک سے اُسکے شمع وچراغ / کہ اُس مہ کا پہونچا فلک پر دماغ
غرض لیگئی آن کی آن میں / اُڑا کر وہ اُسکو پرستان میں
کبھی دل رہے خوش کبھی دردمند / زمانے کی جیسی ہے پست وبلند

داستان حالت تباہ کرنے ماں باپکی شاہزادیکے غائب ہونے سے

شتابی مجھے ساقیا دے شراب / کہ یہ حال سن کر ہوا دل کباب
یہانتک تو قصہ میں چھوڑا یہاں / ذرا اب سنو غمزدونکا بیان
کروں حال ہجراں زدونکا رقم / کہ گذرا جدائی سے کیا اُنپہ غم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں / تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہرو / نہ وہ گل ہے اُسجا نہ وہ اُسکی بو
رہے دیکھ یہ حال حیران کار / کہ یہ کیا ہوا ہاے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی / کوئی غمسے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی / کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دلگیر ہو / گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھکے زیر زنخداں چھڑی / رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی اُنگلی کو دانتوں میں داب / کسینے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسینے دیے کھول سنبل سے بال / طمانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
نہ بن آئی کچھ اُن کو اسکے سوا / کہ کہیے یہ احوال اب شہ سے جا
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر / گرا خاک پر کہکے ہاے پسر

کلیجہ پکڑ ماں تو بس رہ گئی
کلی کیطرح سے بکس رہ گئی

ہوا گم جو یوسف پڑی یہ جو دھوم
کیا خادمانِ محل نے ہجوم

کہا شہ نے وانکا مجھے دو پتا
عزیز و جہانسے وہ یوسف گیا

گئیں مے وہ شہ کو لب بام پر
دکھایا کہ سوتا تھا یہاں سیمبر

یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا
کہا ہاے بیٹا تو یاں سے گیا

مرے نوجوان میں کہاں جاؤں پیر
نظر تو نے مجھپر نہ کی بینظیر

عجب بحر غم میں ڈبو یا ہمیں
غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں

کروں اس قیامت کا کیا میں بیان
ترقی میں ہر دم تھا شور و فغان

لب بام کثرت جو یکسر ہوئی
تلے کی زمیں ساری اوپر ہوئی

شب آدھی وہ جسطرح سوتے کٹی
رہی تھی جو باقی وہ روتے کٹی

عجب طرحکی شب تھی ہیہات وہ
قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ

سحر نے کیا جب گریبان چاک
اُڑانے لگے سب سر پہ خاک

اُٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل
کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل

غم و درد سے دل جو سب کا بھرا
ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا

گیا جبکہ وہ سرو اُس باغ سے
نظر پھول آنے لگے داغ سے

اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول
اُڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول

صدا اب جو کوئی اُنھونکی سنے
تو کو کو سے اُنکی جگر تک بھنے

ہوے خشک اور زرد سارے نہال
ثمر لگ گئے ہانوں ہوے پایمال

ترانے سے بلبل کا جی ہٹ گیا
گلو انکا جگر درد سے پھٹ گیا

تبسم گیا حزن سے غنچہ بھول
ہوا غم سے ازبس لہو پی کے پھول

اُڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب
لب جوے اُڑنے لگی گرد گرد
لگی آگ لالے کے دل کو تمام
پڑا ماتم اُس باغ میں بسکہ سخت
گرے غم سے انگور بدہوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ
وہ لبریز جو نہر تھی جابجا
اُچھلتے تھے فوارے جو اُسکے واں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے جھڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یا نتک تباہ
کہاں وہ کنویں اور کہاں آبشار
نہ بنگلوں کا عالم نہ وہ قرقرے
جہاں رقص کرتے تھے طاؤس باغ
سُہانی وہ چھائیں جو دلچسپ تھیں
منقش جہاں تھے وہ رنگیں مکاں
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل
خزاں کا الم دل میں جو آگیا
نہ غنچہ نہ گل نے گلستاں رہا
وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ

ہوے بال سنبل کے ماتم کی شب
گل اشرفی کا ہوا رنگ زرد
دیا خاک میں پھینک عشرت کا جام
ہوے نخل[۱] ماتم تمامی درخت
پڑے سارے سالے سیہ پوش ہو
وہ ہل ہل کے ملتے تھے آپسمیں ہاتھ
سو آنکھوں کو وہ رکھتی ڈبڈبا
گیا سب نکل اُنکا تاب و تواں
غرض روتے روتے گرڈھے پڑ گئے
گیا رخت پانی نے اپنا بہا
کوئی دلمیں روتے کوئی ڈھاڑ[۲] مار
نہ وہ آبجو[۳] ئیں نہ سبزے ہرے
لگے بولنے واں منڈیروں پہ زاغ
تو کیا ہو کہ اب دل لگی واں نہیں
ہوے سب وہ جوں دیدۂ خونچکاں
سو وہ سب خزاں سے ہوے مضمحل
جگر برگ گل کیطرح جھڑ پڑا
فقط دلمیں اک خار ہجراں رہا
کہ ہوتی ہے اب اسکی حالت تباہ

---

۱ نخل ماتم۔ تابوت ۲ ڈھاڑ مار کر رونا۔ چلا کر رونا ۳ آبجو۔ ندی۔

کہا گو جدائی گوارا نہیں ولیکن جدائی سے چارا نہیں
نہیں خوب اتنا تمہیں اضطراب نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب
خدا جانے اب اِسمیں کیا بھید ہے یہ کہتے ہیں لیکن جیتونکو امید ہے
خدا کی خدائی جو معمور ہے غرض اُسکے نزدیک کیا دور ہے
نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام اُسیکی غرض ذات کو ہے قیام
یہ کہہ اور شہ کو بٹھا تخت پر پھر نوع رہنے لگے یکدگر
لٹایا بہت باپ نے مال وزر ولیکن نہ پائی کچھ اُسکی خبر

داستان پرستان میں لیجانے کی

مجھے دیکھے سے کھوج اُسکا بتا ذرا خضر رہ ہو تو ہی ساقیا
نہ پائی کہیں یاں تو اُس گل کی بو کروں اب پرستاں میں جستجو
اُڑی وہ پری وانسے لیکر اُسے اُتارا پرستان کے اندر اُسے
وہاں ایک تھا سیر کا اُسکے باغ کہ جسکے گلوں سے ہو تازہ دماغ
ریاحین و گل اُسمیں انواع کے طلسمات کل اسمیں انواع کے
طلسمات کے پیارے دیوار و در نہ بانکے سے کوٹھے نہ بانکے سے گھر
مطلا[1] منقش[2] مشبک[3] تمام یہ کیا ہو جو ہو دھوپ کا اسمیں نام
کرے چھنکے واں اس لطافت سے دھوپ کہ زردی کا جوں زعفران پر ہو روپ
نہ آتش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر نہ سردی نہ گرمی کا اُسمیں خطر
بھرے اور بھرے سب گلوں سے مکان جہاں چاہیئے جا کے رکھدیں وہاں

۱ سونیکا کام ۲ منقش نقشین ۳ مشبک جالی دار ۱۲

درخشندہ ہر سقف دالان کی — ہو دیوار جیسے چراغان کی
زمیں ساری وانکی جواہر نگار — ادھر[1] میں چمن اور ہوا میں بہار
کسیکو ہو جس چیز کا اشتیاق — نظر آوے وہ چیز بالائے طاق
جواہر کے ذی روح وحش و طیور — خراماں پھریں صحن میں دور دور
پھریں دنمیں سارے وہ حیوان ہو — کریں رات میں کام انسان ہو
لگے ہر طرف گوہر[2] شبچراغ — وہی دنکو گوہر وہی شب چراغ
بنائے ہوئے جال باہم نہال — گل و غنچہ سب وانکے دور از خیال
صدا آپ سے آپ گھڑیال[3] کی — کہیں ناچ کی اور کہیں تانکی
رہے وا انکے حجروں کا جو در کھلا — تو دنیا کے باجوں کی آوے صدا
وگر بند کر دیجیے ایک بار — تو جوں ارغنوں[4] راگ نکلیں ہزار
مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش — بخط سلیمانی اونپر نقوش
طلسمات کے پردے اور چلونیں — ارادے پہ ڈھلکے اوٹھیں اور کھلیں
خواصیں پریزاد اسمیں تمام — پھریں گرد گرد اس پری کے مدام
سر نہر بنگلہ مرصع[5] نگار — سراپا برنگ گہر آبدار
رکھا شاہزادیکا اسمیں پلنگ — کھلا حسن سے اسکے بنگلے کا رنگ
قضارا کھلی آنکھ اس گل کی جو — نہ پائی وہاں شہر کی اپنے بو
نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا — تعجب سے اک اک کو تکتا رہا

[1] ادھر۔ معلق۔ ٹنگا ہوا [2] گوہر شبچراغ ایک قسم کا لعل جو شب کو روشنی دیتا ہے ۱۲ [3] گھڑیال وہ گھنٹہ جو امیروں کے دروازوں پر۔ یا مندروں وغیرہ میں بجایا جاتا ہے [4] ارغنوں۔ ایک باجا جسکا موجد افلاطون تھا۔
[5] مرصع نگار۔ جسپر نقش و نگار بنائے ہوں ۱۲۔

اچنبھے[۵۱] کا یہ خواب دیکھا جو واں
لگا کہنے یا رب میں آیا کہاں

نہ بس تھا وہ لڑکا تو سہماں[۵۲] بھی کچھ
ہوا کچھ دلیر اور حیراں بھی کچھ

سرہانے جو دیکھی مہ چار دہ
کہ ہے اجنبی سی وہ اک رشک مہ

کہا کون ہے تو یہ کسکا ہے گھر
لے آیا مجھے کون گھر سے ادھر

پھرا منہ کو اور لے اُدھر سے نقاب
دیا اُس پری نے یہ ہنسکر جواب

خدا جانے تو کون میں کون ہوں
مجھے بھی تعجب ہے میں کیا کہوں

پر اب تو تو مہماں ہے میرے گھر
لے آئی ہے تجھکو قضا و قدر

یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں
پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

ترے عشق نے مجھکو شیدا کیا
ترا غم مرے دل میں پیدا کیا

چھڑا کر ترا تجھسے شہر و دیار
یہ ہندی ہی لائی ہے تقصیر وار

پری ہوں میں اور یہ پرستان ہے
یہاں سب یہ قوم بنی جان ہے

کہاں صورت جن[۵۳] کہاں شکل انس[۵۴]
غرض قہر ہے صحبت غیر جنس

پری کو ہوئی شادی اُس مہ کو غم
پہ ناچار کیا کر سکے وہ صنم

کبھی یوں بھی ہے گردش روزگار
کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار

غرض دلکو جوں توں لگا یا وہاں
کہا اُسنے جو کچھ کہا اُسکو ہاں

ولیکن نہ عقل و نہ ہوش و حواس
رہے وحشیوں کی طرح وہ اداس

کبھی اشک آنکھوں میں بھر لائے وہ
کبھی سانس لیکر کہے ہائے وہ

وہ محلوں کی جھلیں وہ گھر کا سماں
رہے روبرو دھیان میں ہر زماں

---

۵۱ اچنبھا۔ تعجب ۵۲ سہماں اس طریقہ سے اب استعمال نہیں کرتے۔ اور نہ یوں قافیہ کیا جا سکتا ہے۔
۵۳ مراد جنات ۵۴ اِنس۔ انسان ۱۲۔

وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے
تو راتوں کو رو رو کے دریا بہائے

کبھی اپنی تنہائی پر غم کرے
کبھی اپنے اوپر دعا دم کرے

کرے یاد جب اپنے ناز و نعم
فغاں زیر لب وہ کرے دمبدم

بہانے سے دن رات سویا کرے
نہو جب کوئی تب وہ رویا کرے

غرض مضطرب تھا وہ ہر حال میں
کہ جوں مرغ تڑپے نیا جال میں

غرض ماہ رخ اُس پری کا تھا نام
پدر سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام

کبھی گھر میں رہتی کبھی رہتی واں
کہ تا راز اُسکا نہووے عیاں

وہ پریوں نہیں از بسکہ تھی ذی شعور
نئی چیز لاتی تھی اُسکے حضور

عجائب غرائب پرستان کے
دکھاتی تھی ہر شب اُسے آنکے

نئے کھانے اور میوے اقسام کے
مہیّا سب اسباب آرام کے

نئی کشتیاں روز پوشاک کی
خوشامد سدا جان غمناک کی

نئے سوانگ وا نکے نئے راگ و رنگ
کہ تا دل لگے اور نہو جی تنگ

شرابوں کے شیشے چنے طاق میں
گزک وہ کہ نکلے نہ آفاق میں

شراب و کباب و بہار و نگار
جوانی و مستی و بوس و کنار

نتھا اور غم کچھ تو اُسکو وہاں
بغیر از غم دوریٔ دوستاں

اُسی غم میں گھل گھلکے مرتا تھا وہ
سدا شمع ساں آہ کرتا تھا وہ

پری وہ جو تھی دل لگائے ہوئے
وہ بیٹھی تھی اُسکو اُڑائے ہوئے

وہ تھی نازنیں بھی بہت عقلمند
نہ کھلنے سے کچھ اُسکے ہوتی تھی بند

کہا ایک دن اُسنے اے بےنظیر
مرے دام میں تو ہوا ہے اسیر

تو اک کام کر اک پہر بھر کہیں
گیا کر ٹک اک سیر روے زمیں

تو رُک رُک[۱] کے گر اپنے جی کو نہ بند — نہ پہونچے کہیں تیرے جی کو گزند

سرِ شام جاتی ہو منیں باپ پاس — اکیلا تو رہتا ہے اِسجا اُداس

یہ گھوڑا ہیں دیتی ہو کل کا تجھے — ولیکن یہ دے تو مچلکا[۲] مجھے

کہ گر شہر کیطرف جائے کہیں — ویا دل کسی سے لگائے کہیں

تو پھر حال جو ہو گنہگار کا — وہی حال ہو تجھسے دلدار کا

کہا کیونکہ ہیں تمکو جاؤنگا بھول — مجھے جو کہا تمنے سب ہے قبول

کہا ماہرخ نے کہ تھے تیرے بخت — کہ بخشا تجھے ہیں سلیماں کا تخت

جو اُترے تو کل اُسکی یوں جوڑیو — جو برعکس چاہے تو دول موڑیو

زمیں سے لگا اور تا آسماں — جہاں چاہیو جائیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اُس اسپ کی خوبیاں — پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں

ذرا کل کو موڑے فلک پر ہوا — جو کیجے تو کیجے اُسے بادپا

نہ کھاوے نہ پیوے نہ سووے کبھی — نہ ٹاپے نہ بیمار ہووے کبھی

نہ حشری[۳] نہ کمری[۴] نہ شب کور[۵] وہ — نہ وہ کہنہ لنگ[۶] اور نہ منہ زور[۷] وہ

نہ ہڈ دنکا نے موتڑے[۸] کا خلل — نہ پیشانی اوپر ستاریکا[۹] بل

---

۱ رُک رُک کے۔ یعنی گھُٹ گھُٹ کے۔۱۲ ۲ مچلکا دینا۔ کسی امر کے کرنیکا تحریری عہد دینا ۳ حشری گھوڑا عیبدار گھوڑا جو اور گھوڑوں کے ساتھ ملکر نہ رہ سکے ۱۲ ۴ کمری۔ وہ گھوڑا جسکی کمر سواری کے وقت میں خم نہ ہو سکے ۱۲ ۵ شب کور۔ جسکو رات کو نہ دکھائی دے۔ گھوڑے کا یہ بھی ایک عیب ہے ۱۲ ۶ کہنہ لنگ۔ گھوڑے کے لنگڑا ہونے کا عیب ۷ منہ زور۔ کٹھکنا گھوڑا ۸ موتڑا۔ گھوڑے کا ایک مرض۔ یہ ایک غدود ہے جو گھوڑے کے پچھلے پاؤں میں نمودار ہوتا ہے اور جسکی وجہ سے وہ لنگ کرنے لگتا ہے اس مرض میں گھوڑے کے ٹخنے کی ہڈی بھی بڑھ جاتی ہے ۱۲ ۹ جسکی پیشانی پر سفید ٹیکا ہو اسکو منحوس جانتے ہیں ۱۲

نہ سائیں[۱] نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر — ہر اک عیب سے وہ غرض بےخطر
یہ گھوڑا جو اُس کل کی تھا بخش[۲] کا — فلک سیر[۳] تھا نام اُس رخش کا
سر شام وہ بینظیر جہاں — اُسی رخش پر ہو کے جلوہ کناں
ہر اک طرف سے ہو گذرتا تھا وہ — وہی اک پہر سیر کرتا تھا وہ
پہر[۴] جبکہ بجتا تو پھرتا شتاب — کہ پھر قہر تھا ماہ رخ کا عتاب

داستان وارد ہونا بینظیر کا باغ میں بدر منیر کے

کدھر ہے تو اے ساقی شوخ رنگ — کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے تنگ
پلا مجھکو دارو[۵] کوئی تیز و تند — کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کند
مرے توسن طبع کو پر لگا — مجھے یا نسے لیجل فلک پر اُڑا
سنو ایک دن کی یہ تم واردات — اُٹھا سیر کو بینظیر ایک رات
ہوا ناگہاں اُسکا اک جا گذر — سہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھی عمارت بلند — کہ تھی نور میں چاندنی سے دوچند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا — وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
وہ نکھرا فلک اور وہ مہ کا ظہور — لگا شام سے صبح تک وقت نور
یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ — اوترا اپنے گھوڑے سے اور سر جھکا
لگا جھانکنے اُس مکان کے تئیں — کہ دیکھوں تو یاں کوئی ہے یا نہیں
جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر — کہ سب کچھ گیا اُسکے جی سے اُتر

[۱] یہ سب علامتیں گھوڑے میں منحوس مانی گئی ہیں [۲] بخشش۔ حصہ [۳] گھوڑا۔ [۴] پہر بجنا۔ امراء اور بادشاہوں کے یہاں ایک پہر رات گزر جانے پر گھنٹا بجتا تھا ۱۲ [۵] دارو مجازاً شراب ۱۲

کہا جی سے اٹھو جو کچھ ہو سو ہو
ذرا چلکے اس سیر کو دیکھ لو

یہ کہہ نیچے اوترا دبے پاؤں وہ
نظر سے بچائے ہوئے چھاؤں وہ

الگ کھول ہاتھونسے دامنکو اڑ
چلا سایہ سایہ درختوں کی آڑ

تھے اک طرف گنجان باہم درخت
کہ لپٹے ہوں جسطرح مشتاق سخت

لگا وانسے چھپ چھپ کے کرنے نظر
درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر

جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں
عجب چاندنی ہر عجب ہے سماں

عجب صورتیں اور طرفہ محل
چلا دیکھتے ہی دل اُسکا نکل

ملی جنس کی اپنے جو اُسکو بو
لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سو

نظر آئی واں چاندنی کی بہار
کہ آنکھوں نے کی خیرگی[۱] اختیار

در و بام یک لخت سارے سپید
ہر اک طاق محراب صبح امید

مغرق زمیں پر تمامی کا فرش
جھلک جسکی لے فرش سے تا بعرش

زمیں کا طبق آسماں کا طبق
سنہرے رو پہلے ہوں جیسے ورق

بلوریں دھرے ہر طرف سنگ فرش[۲]
کہ جس سے منور رہے رنگ فرش

گئی اُسکے عالم پہ جندم نگاہ
اور آئی نظر اُسمیں اک رشک ماہ

طرح[۳] اُسکی ہر ڈولکی بانوس تھی
کہ گویا وہ شیشے کی فانوس تھی

کہیں دیکھ اُسکے تئیں ہوشمند
پری کو کیا ہیگا شیشے میں بند

ہر اک سمت واں نور کا اژدحام
لگے آئنے قد آدم تمام

لپیٹے ہوئے بادلوں سے درخت
زمین و ہوا صاحب تاج و تخت

۱؎ خیرگی - چکاچوندھ ۲؎ سنگ فرش - میل فرش - وہ تراشے ہوئے پتھر جو فرش کے چاروں گوشوں پر
اس لئے رکھدیتے ہیں کہ ہوا سے نہ اُڑ سکے ۱۲ ۳؎ طرح - وضع۔

لبالب[1] وہ جو پر کی پاکیزہ نہر ۔ پڑے چشمۂ ماہ سے جسمیں لہر
لب نہر پر صاف جو غور کی ۔ تو پٹری تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اُسمیں فوارے چھٹتے ہوئے ۔ ہوا پیچ موتی سے لٹتے ہوئے
مقرض[2] پڑا اُسمیں مقیش[3] جو ۔ گرا ماہ واں رشک سے پرزے ہو
لیے گود مقیش چھوٹے بڑے ۔ ہر اک جا ستارے اوڑا دیں کھڑے (نسخہ: سبھی)
غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ ۔ زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ (نسخہ: صنعت)
ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم ۔ ملیں جلوۂ مہ کو زیر قدم
فقط چاندنی میں کہاں طور یہ ۔ کہ طرہ نہ جبتک ملے اور یہ
زمانہ زرافشاں ہوا زرفشاں ۔ زمیں سے لگا تا سما[4] زرفشاں
گل و غنچہ نسرین و تاج خروس[5] ۔ زمین چمن سب جبین عروس
خراماں زری پوش ہر ماہ وش ۔ کریں دیکھکر مہر و مہ جنکو غش
کھڑا ایک نگیرہ[6] زرنگار ۔ کہ تھے جسکی جھالر پہ موتی نثار
جڑاؤ وہ استادے[7] الماس کے ۔ ڈھلے ایک سانچے کے اک راس[8] کے
کھنچی ڈوری اک طرف زرتار کی ۔ لڑی جوں کناری کے ہوں ہار کی
کہوں کیا میں جھالر کی اُسکی پھبن ۔ کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن
مغرق بچھی مسند اک جگمگی[9] ۔ کہ تھی چاندنی جسکے قدموں لگی

---

۱ لبلب ۔ لبالب بھری ہوئی ۔ فارسی والوں نے بقاعدہ عربی اسکو بنا لیا ہے ورنہ عرب کے لغات میں یہ لفظ نہیں ہے ۱۲ ۲ مقرض ۔ مقراض یعنی قینچی سے تراشا ہوا ۔ ۳ چاندی سونے کے تاروں کا بنا ہوا ایک کپڑا ۔ ۴ سما ۔ آسماں ۵ تاج خروس ۔ ایک پھول کا درخت جسکو اردو فارسی میں مرغ کیس کہتے ہیں ۱۲ ۶ نگیرہ ۔ ایک قسم کا ہلکا شامیانہ ۷ استادے ۔ شامیانے اور خیمہ کی چوبیں ۸ اک اس کے یعنی ایک ناپ کے ۱۲ ۔ ۹ جگمگی ، چمکدار ، زرق برق ،

نہ پھولے سماتے تھے تکیے دھرے / کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھرے
بلوریں صُراحی وہ جام بلور / دل و دیدہ وقفِ تماشائے نور
زمیں نور کی آسمان نور کا / جدھر دیکھو اُودھر سماں نور کا
چمن سارے داؤدیوں سے بھرے / جوانان شب بو[1] کے ہر جا پرے
ستاروں کا مہتاب میں جال یوں / کہ جوشنے میں پانی کے قطرے ہوں جوں
اگر کیجیے سایہ اور پر نگاہ / تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ
کرے ہے نگہ جسطرف کو گذر / بجز نور آتا نہیں کچھ نظر
کروں کونسے حسن کو انتخاب / ہر اک آئینے میں وہی ماہتاب
نظر جسطرف جائے نزدیک و دور / اُسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور
نکل اپنی وحدت سے کثرت میں آ / وہی نور ہے جلوہ گر جا بجا
نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب / وہی ایک نکتہ کہ جسکی کتاب
حقیقت کی لیکن بصارت بھی ہو / کہ دیکھے نہ اُسکے سوا غیر کو

داستان تعریف بدرِ منیر اور عاشق ہونا بینظیر کا

گلابی[2] مرے سامنے ساقیا / مہ چار دہ کو دکھا کر پلا
کہ دیکھے سے جسکے ہو دلکو سرور / نظر کام کر جائے نزدیک و دور
کروں اُس مکاں کے نگیں کا بیاں / کہ ہے بعد خاتم نگیں کا بیاں
وہ مسند جو تھی موج دریائے حسن / وہاں دیکھی اک مسند آرائے حسن
برس پندرہ ایک کا سن و سال / نہایت حسیں اور صاحب جمال

١؎ شب بو۔ ایک پھول کے درخت کا نام ٢؎ ایک قسم کا رنگیں شیشے کا گلاس ایک قسم کی بوتل نما صراحی۔

دیے کہنی تکیہ پہ اک ناز سے — سرِ نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام — ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام
وہ بیٹھی تھی یہ ڈھج[1] بنائے ہوئے — دل اُس چاندنی پر لگائے ہوئے
اُدھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ — ادھر یہ زمیں پر مہ چاردہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں — لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اکبار چاند — رہا نیکے منھ کو لگے چار[2] چاند
عجب طرح کا حسن تھا جانفزا — کہ مہ روبرو جسکے تھا تھک رہا
کروں اُسکی پوشاک کا کیا بیاں — فقط ایک پشواز[3] آبِ رواں
زبس موتیوں کی تھی سنجاف[4] گل — کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل
اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب — جسے دیکھ شبنم کو آوے حجاب
صباحت[5] صفا اُسمیں جھلکی ہوئی — پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی
گریبان میں اک تکمہ[6] الماس کا — ستارہ سا مہتاب کے پاس کا
وہ کرتی وہ انگیا جواہر نگار — نیا باغ اور ابتدا کی بہار
وہ چھب تختی اور اُسکی کرتی کا چاک — ترافے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک
جھلک پایجامہ کی دامن سے یوں — کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں
صفائی یہ پوشاک کی دیکھیو — نظر سوچ میں ہے کہ میلی نہ ہو
وہ ترکیب[7] اور چاند سا وہ بدن — وہ بازو پہ ڈھلکے ہوے نورتن
جڑاؤ وہ بالے کہ بالے کا رشک — وہ موتی کے مالے کہ عاشق کا اشک

۱ دَھج۔ وضع ۲ چار چاند لگنا۔ زیب و زینت کا بڑھنا ۳ پشواز ایک خاص لباس ۱۲ ۴ سنجاف۔ گوٹ۔ حاشیہ۔ چوڑی اور آڑی گوٹ ۵ صباحت، سفید رنگ گوراپن ۶ تکمہ گریبان کی گھنڈی ۷ مراد جسم کی بناوٹ ۱۲

وہ آنکھوں کی مستی وہ مژگاں کی نوک — کرنپھول[1] کی اور بالی کی جھوک
وہ موتی کا دو لڑا[2] وہ موتی کا ہار — سدا اشک غمدیدہ جس پر نثار
لگا ڈھکڈھکی[3] کی پچلڑا ست لڑا — سراسر گلے حسن اُسکے پڑا
جڑاؤ دمکتی وہ چنپا کلی — رہے جس سے الماس کو بیکلی
تلے اُسکے موتی لگے گرد گل — کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگ گل
جہانگیریوں[4] کا کروں کیا بیاں — کہ اُٹھتی تھی ہاتھوں سے جسکی فغاں
جواہر سے سینے کی ہیکل جڑی — کمر اور کولے کے نیچے پڑی
فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب — کہ جسکے قدم سے گہر پائے زیب
کسیکے کہاں ہاتھ وہ پانوں آئے — جواہر جہاں پانوں پر پڑ کے جائے
سراپا اگر ہو زبان میرا تن — سراپا میں اُسکے کروں کیا سخن
سب اعضا بدن کے موافق درست — ہر اک کام میں اپنے چالاک و چست
جہاں راستی چاہیے راستی — کجی جسجگہ چاہیے واں کجی
وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے — وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے
جو کچھ چاہیے ٹھیک نک سک[5] سے انگ[6] — نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ
کچھ اک تمکنت[7] اور کچھ اک بانکپن — غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن
کرشمہ ادا غمزہ ہر آن میں — غرض دلبری اُسکے فرمان میں
تغافل حیا ناز شوخی غرور — ہر اک اپنے موقع پہ وقت ضرور
تبسم تکلم ترحم ستم — موافق ہر اک حوصلے کے کرم

۱؎ کان کا ایک زیور ۲؎ دو لڑا۔ دو لڑ کا ہار ۳؎ زیور گلے کا ۴؎ ہاتھوں کا جڑاؤ زیور ۵؎ نک سک۔ ناک نقشہ۔
۶؎ انگ جسم ۷؎ تمکنت۔ غرور گھمنڈ ۱۲۔

وہ ابرو کہ محراب ایوان حسن
جھکی شاخ نخل گلستان حسن

نگہ آفت و چشم عین بلا
مژہ دیں صفوں کو الٹ برملا

دُر گوش جب اُسکا تابندہ ہو
صدف کا دل صاف شرمندہ ہو

وہ بینی کہ جسکی نہیں کچھ نظیر
ہو انگشت قدرت کی سیدھی لکیر

وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال
اگر اُسپہ بوسہ کا گذرے خیال

نہیں رطب و یابس کا یاں کچھ حساب
بیاض گلو سب کی سب انتخاب

وہ ساعد وہ بازو بھرے گول گول
برابر ہو الماس کے جسکا مول

وہ دست حنا بستہ خوبی کا باب
شفق میں ہو جوں پنجۂ آفتاب

زبس مثل آئینہ تھا اُسکا تن
کہے تو کہ تھی ناف عکس ذقن

کمر کو کہوں کیونکہ میں اُسکے ہیچ
نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ

وہ زانو کہ آجائے گر اُسپہ ہاتھ
رہے عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ

وہ ساق بلوریں وہ انداز پا
پھرے ہر سحر چشم و دلمیں سدا

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جسکو جھککر سلام

وہ اٹھکھیلیاں اور وہ اُسکی چال
کہ دل جس سے عالم کا ہو پایمال

بنا کبک کیسی ہی گو چال لائے
کہاں پر وہ رفتار کو اُسکی پائے

لٹک[1] چال اُس کی کوئی کیا چلے
یہ انداز سب اُسکے پاؤں تلے

عجب پشت پا صاف انگشت پا
کف پا دکھاوے سر پشت پا

مغرق جواہر سے اک جفت کفش
نہ وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش

یہ قدرت کا دیکھا جو اُسنے خیال
کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال

[1] لٹک چال۔ مستانہ انداز سے چلنا ۱۲

درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں — کسیکی نظر جا پڑی ناگہاں
جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسیں — درختوں کی ہے اوٹ میں مہ جبیں
یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا — ہر اک حال سے اُسکے ماہر ہوا
یہ سُن ایک سے ایک واں سب کی سب — پھریں برگ گل کیطرح غنچہ لب
جو دیکھیں تو شعلہ سا روشن ہے کچھ — درختوں کا روشن سا آنگن ہے کچھ
کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا — کسی نے کہا چاند ہے یاں چھپا
کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن — کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ — ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ
ہوئی صبح شب کا گیا اُٹھ حجاب — درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا دیکھیو اے بوا — کھڑا ہے کوئی صاف یہ مردوا
کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے — کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے
یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں — اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں
گئی بات یہ شاہزادی کے گوش — یہ سنتے ہی جاتا رہا اُسکا ہوش
کہاں ہیں تو دیکھوں یہ کہکر اُٹھی — گیا سنسنا جی تو رہکر اُٹھی
خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ — عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ
کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی — دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی
گئی ہمرہیں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں — دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں
گئیں جب وہ کر کے دل اپنا کرخت — وہاں جسجگہ تھے وہ باہم درخت
جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسیں — کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ جبیں

لگیں جھانکنے سب کی سب وہ شریر + لگا یک نظر واں پڑا بے نظیر

سر کھنے کی دانستے نہ جاگہ نہ ٹھاؤں[۱] / دیے حیرت عشق نے گاڑ پاؤں

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن / جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

نئی پشت لب سے مسوں کی نمود / جسے دیکھ نیلا ہو چرخ کبود

گلے میں پڑا نیمہ[۲] شبنم کا ایک / بدن سے عیاں نور عالم کا ایک

تمامی کی سنجاف جلوہ کناں / کہ جوں عکس مہ زیر آب رواں

طرحدار اک سر پہ پھینٹا[۳] سجا / تمامی کا پٹکا کمر سے بندھا

عجب پیچ پر پیچ بیٹھے تھے مل / کہ ہر پیچ پر پیچ کھاتا تھا دل

جواہر کا تکمہ گلے میں بندھا / ستارہ ہو جوں صبح کا جگمگا

وہ موتی کا لٹکن[۴] زمرد کی ہر[۵] / لٹک جسکی زیبندہ و ستار پر

وہ گورا بدن صاف ترکیب وار / بھرے ڈنڈ[۶] پر نورتن[۷] کی بہار

اک الماس کی ہاتھ انگشتری / ہرا سر حنا دست و پا میں لگی

عیاں چستی وضع بھی گات[۸] سے / نمود جوانی ہر اک بات سے

بدن آئنہ سا دمکتا ہوا / گل باغ خوبی لہکتا ہوا

اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل / جوانی کی شب کا سماں برمحل

قیافے سے ظاہر سراپا شعور / جبیں پر برستا شجاعت کا نور

وے عشق کی تیغ کھائے ہوئے / کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے

یہ عالم جو دیکھا تو غش کر گئیں / وہ جتنی کہ آئی تھیں سب مر گئیں

---

۱ ٹھاؤں جگہ۔ ٹھکانا۔ ۲ نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ ۳ پھینٹا۔ ایک قسم کی پگڑی ۴ لٹکن سے مراد یہاں زریں طرہ ہے ۵ ہر۔ ایک قسم کی لمبی گھڑی جو ہڑ کے مشابہ ہوتی ہے جیسے ٹوسے گوندھتے ہیں ۶ ڈنڈ۔ بازو۔ ۷ نورتن۔ بازو کا ایک زیور ۸ گات۔ وضع۔ اسلوب۔ جسم کی خوشنمائی۔

شتابی سے جا کر کہا وانکا حال
عجب سیر ہے سیر مہتاب میں
کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم
اُٹھا پاسے گلگونکو جلد اے نگار
نہیں اور کچھ تم نہ کیجیو ہراس
گئی اُسجگہ جب وہ بدر منیر
گئے دیکھتے ہی سب آپسمیں مل
غرض بینظیر اور بدر منیر
رہی کچھ نہ تن من کی سدھ بدھ اُسے
تھی ہمراہ اک اُسکے دخت وزیر
زبس تھی ستارہ سی وہ دلربا
شتابی سے لا اُسنے چھڑکا گلاب
وہ اُٹھنے تو اُٹھی پہ حیران سی
وہ شہزادہ دل شدہ تو ٹھٹھک
کر وہ نازنیں کچھ جھجک منہ چھپا
چلی اُسکے آگے سے منہ موڑ کر
وہ گُدی[۲] وہ شانے وہ پشت کمر

کہ اے شاہزادی صاحب جمال
یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں
جو دیکھو گی آنکھوں تو جانو گی تم
نہ جائے کہیں ہاتھ سے یہ بہار
چلی آ ٹک ان درختوں کے پاس
اور اُسنے جو دیکھا شہ بینظیر
نظر سے نظر جی سے جی دلسے دل
گرے دونوں آپسمیں ہوکر اسیر
نہ کچھ اپنے تن کی رہی سدھ اُسے
نہایت حسیں اور نیا مت شریر
اُسے لوگ کہتے تھے نجم النسا
تب آئی تنوں میں ذرا اُنکے تاب
گل شبنم آلودہ گریان سی
وہیں رہ گیا نقش پا سا جھجک[۱]
کمر اور چوٹی کا عالم دکھا
وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر
وہ چوٹی کا کولے پہ آنا نظر

۱ جھجک - حیران۔
۲ گُدی گردن کا پچھلا حصّہ۔

داستان زلف اور چوٹی کی تعریف میں

پلا ساقیا ساغر مشکبو — کہ ہے مجھکو در پیش تعریف مو
سر شام سے دے یہانتک شراب — کہ مستی میں دیکھوں رخ آفتاب
کروں اُسکے بالوں کا کیا میں بیاں — ندیکھا کسی رات میں یہ سماں
وہ زلفیں کہ دل جسمیں اُلجھا رہے — اُلجھنے سے جی جنکے سلجھا رہے
وہ کنگھی وہ چوٹی کھنچی صاف صاف — کناری کا پیچھے چمکتا ہو باف[۱]
کہوں اُسکی خوبی کا کیا رنگ ڈھنگ — کہ جوں آخری شب ہو جھمکے کا رنگ
نمایاں تھی یوں اوڑھنی سے جھمک — کہ جوں ابر میں برق کی ہو چمک
ہو باف زری نے کیا ہے غضب — دیا ہے گرہ دنکو دنبال شب
سنگار و نہیں وہ سب سے گو ہے اُتار[۲] — یہ کہتے ہیں چوٹی کا اُسکو سنگار
نہ کیونکہ چوٹی کا رتبہ بڑا — کہ اک نور ہے اسکے پیچھے پڑا
گل و سنبل اُس سر سے قربان ہے — کہ اُسکی لٹک میں عجب آن ہے
لڑی تھی زبس سحر سے اُسکے ساٹھ[۳] — شب و روز کو دے رکھا اُسنے گانٹھ
وے لے ہاتھ آنا ہے اُسکا کٹھن — کہ ہے فی الحقیقت وہ کالے کا من
اُلٹکر نہ دیکھے اُسے ہوشیار — کہ وہ اک ستارہ ہے دنبالہ دار
وہ بیٹھ اُسکی شفاف آئینہ سال — تس اوپر وہ چوٹی کا پڑنا وہاں
کہوں اُسکے عالم کا کیا ماجرا — کہ جوں ہو وے دریا پہ کالی گھٹا
بھری تھی دلوں سے زبس اُسکی مانگ — بہت دل لیے اُس سے کنگھی نے مانگ

---

[۱] فیتہ یا پٹی جسے عورتیں چوٹی میں گوندھتی ہیں [۲] اتار۔ کم درجہ کم رتبہ [۳] ساٹھ۔ سازش۔

دل عاشق او سپر سے قربان ہے
کہ مشاطہ[1] کا سر پہ احسان ہے

کشاکش میں تھا ورنہ جینا تو ہیچ
بھلے کو رکھا اُسنے ڈھیلاہی پیچ

غرض حسن کا اُسکے ہے سب یہ بھید
جو چاہے کرے وہ سیاہ و سفید

کرے سُرخ جو کوئی اُسمیں ہو باف
کرے خون دل اپنا اُسکو معاف

کیا قتل گو اُسنے دل کو تو کیا
شفق کا نہیں شام پر خون بہا

کہانتک کہوں اُسکی چوٹی کی بات
کہ چھوڑا ہے سوانگ اور بڑی ہے یہ رات

دیا شعر کو گرچہ ہر بار طول
و لیکن یہ ہے عرض میری قبول

بہت موشگافی جو کی میں نے یاں
گھٹا نیکی جاگہ نہ تھی درمیان

تس اوپر جو پوری نہ بیٹھی مثال
ہوئی ہے مری فکر پیچھر و بال

اب اس پیچ سے باہر آتا ہوں میں
سماں ایک تازہ دکھاتا ہوں میں

غرض وہ مُرڈھی جب دکھا اپنے بال
تو گویا کہ مارا محبت کا جال

ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی
چھپا منہ کو اور مسکراتی چلی

غضب منہ پہ ظاہر دلے دلمیں چاہ
نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ

یہ ہے کون کمبخت آیا یہاں
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں

یہ کہتی ہوئی آنکلی آن میں
چھپی جا کے اپنے وہ دالان میں

دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب
چھپا ابر تاریک میں آفتاب

کہ اتنے میں آئی وہ دخت وزیر
لگی ہنسکے کہنے کہ بدر منیر

مجھے چوچلے[2] تو خوش آتے نہیں
ترے ناز بیجا یہ بھاتے نہیں

---

۱ مشاطہ۔ کنگھی کرنیوالی عورت ۱۲

۲ چوچلا۔ ناز نخرے کی باتیں ۱۲۔

مری طرف ٹک دیکھ تو ہائے ہائے ‌ ‌ ‌ مثل ہی کہ من بھائے؎ منڈیا ہلائے
گیا ہی اگر تو نے کھایا اسے ‌ ‌ ‌ تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اسے
ٹک؎ اک حظ اٹھا زندگانی کا تو ‌ ‌ ‌ مزا دیکھ اپنی جوانی کا تو
مئے عیش کا جام اب نوش کر ‌ ‌ ‌ غم دین و دنیا فراموش کر
یہ حسن و جوانی یہ جوش و خروش ‌ ‌ ‌ غفور رست ایزد تو ساغر بنوش
کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہار ‌ ‌ ‌ یہ جوبن کا عالم بھی ہی یادگار
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں ‌ ‌ ‌ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
سبھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار ‌ ‌ ‌ ولے حاصل عمر ہی وصل یار
خوشا وہ زمانہ کہ دو اک جگہ ‌ ‌ ‌ کریں یکدگر جلوہ مہر و مہ
کہاں چاہ والے ہیں یوسف عزیز ‌ ‌ ‌ اری باؤلی چاہ میں کر تمیز
ترے گھر میں آیا ہی مہماں غریب ‌ ‌ ‌ یہ ہی واردات عجیب و غریب
شتابی سے مجلس کو تیار کر ‌ ‌ ‌ تو اس گل سے گھر رشک گلزار کر
بلا ساقیان گل اندام کو ‌ ‌ ‌ نگہ ساتھ گردش میں لا جام کو
شب و روز پی ملکے جام شراب ‌ ‌ ‌ مہ و مہر کو رشک سے کر کباب
یہ سن سن کے وہ نازنیں مسکرا ‌ ‌ ‌ لگی کہنے اچھا بھلا ری بھلا
میں سمجھی ترا جی گیا ہی ادھر ‌ ‌ ‌ بہانے تو کرتی ہی کیوں مجھپہ دھر
لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ باہوش ‌ ‌ ‌ ہوئی تھی اسے دیکھ میں ہی تو غش
مجھی پر تو چھڑکا تھا تمنے گلاب ‌ ‌ ‌ بھلا میری خاطر بلاؤ شتاب
یہ آپسمیں رمز و کنی باتیں ہوئیں ‌ ‌ ‌ اشارہ و کنی باہم جو گھاتیں ہوئیں

؎ من بھائے منڈیا ہلائے ۔ یعنی جی چاہے اور انکار کرے ؎ ٹک اک ۔ ذرا اک ۱۲۔

بلا لائی جا اُس جو انکے تئیں
کیا میزبان مہمان کے تئیں

بلا اک مکانمیں بٹھایا اُسے
محل کا سماں سب دکھایا اُسے

پھر اُس نازنیں نے پکڑ اُسکا ہاتھ
بٹھایا ہی لا آخر اُس گلرُخ کے ساتھ

داستان ملاقات کرنا بدرِ منیر کا بینظیر سے

پلا ساقیا مجھکو صہبائے عیش
ملی ہے نصیبوں سے یہاں جائے عیش

بہم ملکے بیٹھے ہیں دو رشکِ مہ
قرانِ[ل] مہ و مہر ہے اِس جگہ

ہر اک برج رشکِ گلستان ہے آج
بہارِ وصالِ غریباں ہے آج

برابر اُسکو لاکر بٹھایا جو واں
نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں

وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے

منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے

پسینا پسینا ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن

گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پائے بند حجاب

اُنھوں کے رُکے بیٹھنے سے خفا
ہوئی دلمیں اپنے وہ نجم النسا

گلابی کو لا اُسکے آگے دھرا
پیالے کو پھر جلد اُسنے بھرا

کہا شاہزادی کو بیٹھی ہو کیا
یہ پیالہ تو اس بت کے مُنہ سے لگا

ذرا میری خاطر سے ہنس بول تو
لبِ لعل شیریں کو ٹک کھول تو

میں صدقے ترے تجھکو میری قسم
کئی ساغر اسکو پلا دمبدم

یہ دیکھ اُسکی منت پیالہ اُٹھا
ادھر سے پھرا منہ کو اور مسکرا

ل قران - دو سعد ستاروں کا باہم اتصال ہونا۔

کہا بادہ نوشی سے ہو جسکو ذوق — پیے یہ پیالہ نہیں اُسکا شوق
کہا شاہزادے نے ہنسکر کے یوں — پیو تمہیں نہ کیسے نہورے[لہ] سے کیوں
غرض ہو گئے آپسمیں راز و نیاز — پیے دو پیالے بصد امتیاز
پھر آخر کو شہزادے نے بھی اُٹھا — پیالہ بھرا اور اُسکو دیا
جب آپسمیں چلنے لگے جام مُل — ہنسے غنچہ ساں دل کھلے مثلِ گل
ہوئی یکدگر پھر تو تفتیش حال — لگی ہونے آپسمیں قال و مقال
کھلا بند جسدم درِ گفتگو — جو اُن نے حقیقت کہی مو بمو
کہی ابتدا سے جو گذری تھی سب — جتایا سب اپنا حسب اور نسب
پری کا بھی احوال ظاہر کیا — چھپے راز سے اسکو ماہر کیا
کہا اک پہر کی ہے رخصت مجھے — زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے
یہ سُن دل ہی دل بیچ کھا پیچ و تاب — دیا شاہزادی نے اُسکو جواب
مرو تم پری پر وہ تمپر مرے — بس اب تم ذرا مجھسے بیٹھو پرے
میں اسطرح کا دل لگاتی نہیں — یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں
میں سمجھی ہوں تم کو بہت دور ہو — چلو اب کہیں یہاں سے کافور ہو
عبث تمسے کیوں دل لگاوے کوئی — بھلے چنگے دل کو جلاوے کوئی
بہے شمع ساں کیوں کوئی اشک سے — جلے کیسلیے آتشِ رشک سے
یہ سُن پاؤں پر گر پڑا بینظیر — کہا کیا کروں آہ بدرِ منیر
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھپر فدا — میں تجھپر فدا ہوں مجھے اُس سے کیا
کہا چل سر اپنا قدم پر نہ دھر — کسیکے مجھے جی کی کیا ہے خبر

لہ نہورا۔ منت سماجت۔ احسان۔

یہ رمز و کنائے جو ہونے لگے — تو آپسمیں ہنس ہنس لگے رونے لگے
رہی آخرش دل ہی کی دلمیں بات — پہر بھر گئی اتنے عرصے میں رات
خبر رات کی سن اُٹھا بے نظیر — کہا اب میں جاتا ہوں بدر منیر
اگر قید سے چھوٹنے پاؤنگا — تو پھر آ چکے وقت کل آؤنگا
مت سمجھیو ہو نہیں آرام میں — کروں کیا پھنسا ہوں عجب دام میں
دل[1] اسجا سے اُٹھنے کو کرتا نہیں — کوئی آپ سے آپ مرتا نہیں
کرم بھیہ رکھیو ذرا میری جاں — میں دل چھوڑے جاتا ہوں اپنا یہاں
یہ کہہ اُس طرف وہ روانہ ہوا — دل اُسطرف اُسکا دوانہ ہوا
گیا اپنے معمول سے بینظیر — ادھر کا ہوا قیدی اُدھر اسیر
پری ساتھ کاٹی وہ جوں تونکے رات — اُٹھا صبح ملتا ہوا اپنے ہات
سماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا — مزہ دل میں سارا سمایا ہوا
اُٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب — نہ وصل اور دلکو ہوا اضطراب
نئی بات کا لطف پانا غضب — وہ پہلے پہل دل لگانا غضب
قلق دل یہ یعنے کٹے روز کب — ملے مجھ سے شمع شب افروز کب
محبت میں زلف سیہ فام کی — لگا دیکھنے راہ پھر شام کی
وہ دن ہجر کا اور شامت ہوا — اُسے کاٹنا دن قیامت ہوا
ادھر کا تو احوال تھا اسطرح — کہا میں نے کہہ مختصر جس طرح
دلے اب سنو تم اُدھر کا بیاں — ہوا اطرف ثانی کا کیا حال واں
وہ شب اسکو اندوہ و غم میں کٹی — گھڑی جو کٹی سو الم میں کٹی

[1] دل کرنا۔ دل چاہنا۔ قدیم محاورہ ہے نواح دہلی میں اب بھی بولتے ہیں۔ لکھنؤ میں دل کرنا ہمت جرأت کرنے کے

رہی صورت آنکھوں میں جو یار کی
کچھ امید جی میں کچھ اک جی کو یاس
لگا اُسکو باتوں میں نجم النسا
کہ تو آج کر خوب اپنا سنگار
لگی کہنے چل رہی دوانی نہو
کروں کسکی خاطر میں اپنا سنگار
غرض شاہزادی بہت دور تھی
نہا دھو کے اُس روز ایسی بنی
وہ مُکھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ
وہ مسی وہ اُسکے لب لعل فام
وہ آنکھوں کا عالم وہ کاجل غضب
ستم تیسرے سُرمے کی تحریر سے
لکھوٹا[3] وہ پانوں کا مسی کے ساتھ
وہ پشواز اک ڈانک[4] کی جگمگی
اور اک اوڑھنی جالی مقیش کی
جو دیکھے وہ انگیا جو اُبھر نگار
وہ باریک کرتی مثال ہوا

ہوئی یاد میں صبح رخسار کی
ہونیر ہنسی لیک چہرہ اُداس
لگی کہنے جی چاہتا ہے مرا
مجھے حسن کی اپنے دکھلا بہار
کوئی چیز اپنی بگانی نہ ہو
وہ ہے کون جسکو دکھاؤں بہار
یہ شکل اُسکو پہلے ہی منظور تھی
کہ دو دونکی سیج پنج ہو جیسے بنی[1]
شب ماہ ہو دیکھکر جسکو دنگ
سواد دیار بدخشاں کی شام
کہے تو پڑی نرگستاں[2] میں شب
کھنچے ہاتھ کا فر کے شمشیر سے
کہ جون دامن شب شفق کے ہو ہاتھ
ستاروں کی تھی آنکھ جسپر لگی
پڑی چاندنی سی مہ عیش کی
فرشتہ ملے ہاتھ بے اختیار
عیاں مو بمو جس سے تن کی صفا

۱ بنی۔ دُلھن ۲ نرگستاں نرگس زار۔ نرگس کا جنگل۔ نرگس کا تختہ ۱۲
۳ لکھوٹا۔ پان کی وہ سُرخی جو عورتیں ہونٹوں پر جاتی ہیں ۱۲ ۴ ڈانک سنہرا یا روپہلا ورق جو نگینے وغیرہ کے نیچے اسلئے رکھتے ہیں کہ چمک دمک پیدا ہو اس سے معلوم ہوا کہ گیرسے کے نیچے بھی ڈانک لگاتے تھے ۱۲ ہیکانی ۱۲

ڈلک[1] سُرخ نیفے کی اُبھری ہوئی
گلابی سی گرد اک تہ دی ہوئی

جھلک پائجامے کے دامن سے یوں
کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں

مغرّق زری کا وہ شلوار بند[2]
ثریا سے تابندگی میں دوچند

پڑی پاؤں میں کفش زریں نگار
ستاروں[3] کی جیسے زمیں پر بہار

لگا پا سے وہ نازنیں تا بفرق
سراپا جواہر کے دریا میں غرق

گھٹی ہوئی وہ ترکیب اور وہ بدن
وہ پوشاک و زیور کی اُس پر پھبن

وہ چھب تختی[4] اُسکی نزاکت نہاد
چمن زار قدرت میں نخل مراد

بھری مانگ موتی سے جلوہ کناں
نمایاں شب تیرہ میں کہکشاں

وہ ماتھے پہ ٹیکے کی اُسکے جھلک
سحر چاند تاروں کی جیسے چمک

ہوس ہو نہ دیکھ اُسکے زیور کو پھر
کہیں تو کہ ٹیکا تھا[5] سب اُسکے سر

وہ بالے کی تابندگی زیر گوش
جسے دیکھ اُڑ جائیں بجلی کے ہوش

وہ ہیرے کا تکمہ بصد آب و تاب
وہ صبح نگہ مطلع آفتاب

وہ تکمے پہ چنپا کلی کی پھبن
کہ سورج کے آگے ہو جیسی کرن

وہ چھاتی پہ الماس کی دُھکدُکی[6]
رہے آنکھ سورج کی جس پر جھکی

وہ موتی کے بالے لٹکتے ہوئے
رہیں دل جہاں سر ٹپکتے ہوئے

وہ الماس کی ہیکل اک خوشنما
تصور رہے جسکا دل سے لگا

وہ بھجبند[7] بازو کے اور نورتن
کہ جوں گل سے ہو شاخ زیبا گلا

---

۱ ڈلک چناؤ۔ ابھار۔ چاک۔ دلک ۲ شلوار بند۔ ازار بند ۳ ستارہ وہ گول گول سنہرے روپہلے چاند جو جوتیوں وغیرہ میں لگاتے ہیں ۱۲ ۴ چھب تختی جسم کی خوبصورتی۔ بگاٹ جسم کی بناوٹ ۱۲ ۵ ٹیکا سر ہونا بجائے سر سہرا ہونا استعمال کیا ہے ۶ دھکدھکی گلے کا ایک زیور ۷ بھجبند بازو کا ایک زیور ۱۲

وہ پہونچی نہ مرد کی اور دستبند[1] — نزاکت میں تھی شاخ گل سے دوچند
وہ لعلوں کی پازیب آویزہ دار — سدا اشک خونیں ہو جسپر نثار
وہ مینے کے پاؤں میں چھلے تھے گل — کہ آنکھوں سے دل انپہ کھاتے تھے گل
وہ بالوں کی بو رشک مشک ختن — وہ ڈوبا ہوا عطر میں پیرہن
زمیں سے معطر ہوا تا فلک — زمانہ گیا اسکی بو سے مہک
کیا اسطرح کا جب اسنے سنگار — ہوئے مہر و مہ اسکے منہ پر نثار
فلک تک گئی حسن کی اسکے دھوم — لیا ہاتھ مشاطہ نے اپنا چوم
خواصوں نے گھر کو دیا انتظام — تمامی کے پردے لگا دئے تمام
بچھا فرش اور کر چھپر کھٹ کو صاف — مرصع کا اسپر اڑھا کر غلاف
وہ نرگس کے دستے جو آفاق میں — نہ نکلیں سوا گر چنئے طاق میں
ولایت کے میوے دھرے ہر طرف — کہ لیجاوے بو انکی گل پر شرف
دھرے لخلخے[2] خاص ایوان میں — ہوا ہو گئی عطر دالان میں
دھریں کیاریاں اکطرف بیشمار — چنی اکطرف ڈالیوں کی قطار
اچار اور مربے دھرے خوشنما — وہ باہر کے دالان میں جابجا
چھپر کھٹ کے پاس ایک مسند بچھا — اور اسپر تمامی کے تکیے لگا
چنگیر[3] میں بنا اور رکھ پاندان — قرینے سے اسمیں رکھے ہار پان
کئی عطر دال و ال مرصع دھرے — انوکھی گھڑت کے کئی چوگھڑے[4]
سرہانے مجلد دھری اک کتاب — ظہوری نظیری کا کل انتخاب

[1] دستبند، کلائی کا ایک زیور ۱۲ [2] لخلخہ، مرکب خوشبوئیں جو مجموعہ کے طور پر تیار کرتے ہیں [3] چنگیر، پھولوں کی ڈلیا۔ [4] چوگھڑا، ایک قسم کے چوگوشیہ صندوقچے جسمیں ڈلی الائچی وغیرہ رکھتے ہیں ۱۲

دھری اک بیاض اور رشکِ چمن — پُر از شعرِ سودا و میر و حسن
قلمدان بھی اک نزاکت بھرا — قرینے سے زیرِ چھپرکھٹ دھرا
دھرا اکطرف گنجفۂ خوش قماش — دھری چوپڑ[1] اکطرف کو غم تراش
بچھی ایک چوکی پڑا تورہ[2] پوش — کریں دیکھکر غش جسے بادہ نوش
صراحی و ساغر شراب و کباب — دھرا اُسپہ ساقی نے کر انتخاب
ولے اُسکو رکھا چھپائے ہوئے — کہ چھٹتے نہیں منھ لگائے ہوئے
کہا خاصہ[3] پز کو خبردار کر — کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر
یہ سب کچھ ہوا جبکہ آراستہ — خراماں ہوئی سروِ نوخاستہ
سرِ شام لیے ہاتھ میں اک چھڑی — ولیکن چھڑی وہ کہ جگنو جڑی
روش پر لگی پھرنے ادھر اُدھر — کہ چھپ جائے سورج اُسے دیکھکر

داستان بے نظیر کے آنے کی اور باہم ملاقات کرنیکی

پلا مجھکو ساقی شرابِ وصال — کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال
تڑپتا تھا اودھر جو وہ بے نظیر — ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر
پر اُسنے بھی اتنا تکلف کیا — کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا
تمامی کی سنجاف سے کر درست — بنا جلد جلد اور پہن تنگ و چست
پہن لعل و یاقوت کے نورتن — وہ گل اسطرح ہو کے رشکِ چمن
فلک سیر پر ہو شتابی سوار — ہوا آسمانپر ہوا ایک بار
یکایک جو وارد ہوا اُس جگہ — کہ جیسجا خراماں تھی وہ رشکِ مہ

[1] چوپڑ = بچیسی [2] تورہ پوش - ایک قسم کا خوان پوش [3] خاصہ پز - شاہی باورچی ١٢

نظر نازنیں کی جو اُس پر پڑی ہوئی چادرِ خواب سے اُوجھل[۱] کھڑی
کیا چھیکے عالم پہ جو اُسکے دھیان تو دیکھا عجب رنگ سا ہے وہ جوان
کہ دھانی ہی جوڑا اُسکے میں پڑا چھپا سبز میں چاند سا ہی کھڑا
کہے تو کہ شب چاند نے آ نکلے نکالا ہی منہ کھیت سے دھان کے
وہ حسن اور پوشاک اور وہ شباب زمرد میں جوں جلوۂ آفتاب
سماں دیکھ اُس شعلۂ حسن کا ہوئی اور جلنے کی اُسکو ہوا
خواصیں جو تھیں ہٹ گئیں جا نکلے کہا ایک ہمراز نے آ نکلے
کہ اب کس طرف اُنکو لیجائیے جہاں حکم ہو جا کے بٹھلائیے
کہا وہ جو آراستہ ہے مکان اِدھر سے تو دولہا ہو کے لیجا وہاں
کہے کے بموجب اُٹھا کر نقاب چھپا اُسکو لا کر بٹھایا شتاب
وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر اور ادھر سے آئی جو بدرِ منیر
اُسے دیکھ اُسنے تو پھر عش کیا لباس اور زیور سے عش عش[۲] کیا
زبس جو صلے نے جو تنگی سی کی حیا عشق نے خانہ[۳] جنگی سی کی
پکڑ ہاتھ مسند پہ کھینچا اُسے محبت کے رشتہ میں اینچا اُسے
لگی کہنے ہی ہی مرا چھوڑ ہاتھ یہ گرمی ہی جس سے رہے اُسکے ساتھ
کہا ہائے پیاری جلایا مجھے رُکھائی[۴] نے تیری ستایا مجھے
اری ظالم اک دم تو تو بیٹھ جا ذرا میرے پہلو سے تکیہ لگا
تڑپتا ہی کب سے پڑا میرا دل ذرا کھول آغوش اور مجھسے مل

۱ اوجھل اوٹ میں۔ ۲ کسی چیز کی پسندیدگی سے وجد میں آنا۔ ۳ خانہ جنگی گھر کی لڑائی۔
۴ بدخلقی۔ بیمروتی۔

غرض آخر شب بصد راز و نیاز
وہ مسند پہ بیٹھی بصد امتیاز

ہوا پھر تو صہبائے گلگوں کا دور
ہوئے اور ہی اور کچھ وانکے طور

ہوئے جبکہ بدمست وہ ماہرو
لگی انمیں ہونے عجب گفتگو

کہ دستے جو نرگس کے واں تھے ہزار
لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار

خواصیں جو تھیں روبرو ہٹ گئیں
بہانے سے ہر کام کے بٹ گئیں

غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو
چھپرکھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو

لیا کھینچ انھوں نے جو پردہ شتاب
چھپے ایک جا وہ مہ و آفتاب

لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ
در حسن کے کھل گئے دو کواڑ

لگے پینے باہم شراب وصال
ہوئے نخل امید سے وہ نہال

لبوں سے ملے لب دہن سے دہن
دلوں سے ملے دل بدن سے بدن

لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو
گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو

لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ
چلے ناز و غمزے کے آپسمیں ہاتھ

گسکی گئی چولی آگے سے چل
گسکی گئی چین ساری نکل

غم و درد دامن کشیدہ ہوئے
وہ گل نارسیدہ رسیدہ ہوئے

اٹھے پی کے باہم شراب امید
کوئی سرخرو اور کوئی روسپید

چھپرکھٹ سے باہر رکھا اپنے قدم
نکل آئے بھرتے محبت کا دم

نشہ سے وہ لذت کے بیہوش ہو
گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو

گئے آنکھ نیچی ادھر نازنیں
عرق میں ادھر غرق وہ مہ جبیں

یہ بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم ادھر
کہ اتنے میں ادھر سے باجا پھر

پھرے تھے وہ بجتے اٹھا بینظیر
ہوئی غم کی تصویر بدر منیر

نہ بولی نہ کی بات نے کچھ کہا
نہ دیکھا اُدھر آنکھ اپنی اُٹھا

کہا مجھسے پیاری نہ بیزار رہو
پھر آؤ نگا بولی کہ مختار ہو

خفا اُسکے ہونے سے وہ نوجواں
گیا تو وے منہ پہ آنسو رواں

ہوے دل جو دونوں کے آپسمیں بند
لگے ہجر سے وصل پہ آنے گزند

بندھا پھر تو معمول اُسکا مدام
کہ ہر روز آتا اُدھر وقت شام

پہر رات تک ہنسنا اور بولنا
درِ حسن اور عشق کو کھولنا

کبھی ہجر سے اُنکو ہوتا ملول
کبھی وصل میں بیٹھنا پھول پھول

داستان خبر پانا ماہرخ کا زبانی دیو کے عشق بینظیر اور بدر منیر سے اور قید کرنا بینظیر کو

پلا جلد ساقی مجھے بھر کے جام
کہ ہے چرخ اب درپئے انتقام

یہ دو دلکو اکجا بٹھاتا نہیں
کسیکا اِسے وصل بھاتا نہیں

یہ ہے دشمن وصل و دلسوز ہجر
کرے ہے شب وصل کو روز ہجر

جدائی اُنھوں کی خوش آئی اِسے
پھر اتنی بھی صحبت نہ بھائی اِسے

کسی دیو نے دی پری کو خبر
کہ معشوق عاشق ہوا اور پر

یہ سنکر وہ شعلہ بھبھوکا ہوئی
لگی کہنے ہیں یہ بلا کیا ہوئی

قسم مجھکو حضرت سلیمانؑ کی
ہوئی دشمن اب اُسکی میں جان کی

کہا دیو سے وے مجھے تو بتا
کہا وہ کسی باغ میں تھا کھڑا

کوئی نازنیں سی تھی اک اُسکے ساتھ
کھڑی تھی دیے ہاتھ میں اُسکے ہاتھ

قضارا اُڑا میں جو ہو کر اُدھر / وہ دونوں مجھے واں پڑے تھے نظر
یہ اُڑتی سی اُسکو خبر سُن پڑی / کہا دیکھنے پاؤں اُسکو ذری[1]
تو کہا جاؤں کچا اُسے موت ہو / لگی ہے مری اب تو وہ سوت ہو
وہ آوے تو آ گئے مرے نابکار / گریبانکو اُسکے کروں تار تار
یہی قول و اقرار تھا میرے ساتھ / بھلا اُسکا دامن ہے اور میرا ہاتھ
ہمارے بزرگوں نے سچ ہے کہا / کہ ہیں آدمی زاد کل بیوفا
غضبناک بیٹھی تھی یہ تو ادھر / کہ اتنے میں آیا وہ رشک قمر
اُسے دیکھ غصے میں وہ ڈر گیا / کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا
بلا سی وہ دیکھ اُسکے پیچھے پڑی / کہا سُن تو اے موذی و مدعی
تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا / کہ اُس مالزادی کو جوڑا دیا
الگ ہمسے یوں رہنا اور چھوٹنا / یہ اوپر ہی اوپر مزے لوٹنا
مچلکا دیا تھا نہ تو نے یہی / بھلا اُسکا بدلہ نہ لوں تو سہی
پھرا جیسے راتوں کو دلشاد تو / کرے گا دنوں کو بہت یاد تو
مزہ چاہ کا دیکھ اپنی ذرا / جھنکاتی ہوں کیسے کنوئیں رہ بھلا
تجھے جی سے ماروں تو کیا اے غریب / دلے چاہتے ہیں یہ تیرے نصیب
کہ چاہِ الم میں پھنساؤں تجھے / ہنسا ہے تو جیسا رُلاؤں تجھے
یہ کہہ اور رُلا اک پریزاد کو / کہا سُنیو اسکی نہ فریاد کو
اسے کھینچتا یا نسے لیجا شتاب / وہ صحرا جو ہے درد و محنت کا باب[2]
کنواں اُسمیں جو ہے مصیبت بھرا / کئی من کا پتھر ہے اُس پر دھرا

[1] اس طرح کے قوافی اب جائز نہیں ۱۲ [2] دروازہ مجازاً ۱۲

اسے جا کے اُس چاہ میں بند کر — وہی سنگ پھر اُسکے منہ پر تو دھر
سرِ شام کھانا کھلانا اِسے — اور اک جام پانی پلانا اسے
نہ یجو سوا اسکے جو کچھ سکے — یہی اسکا معمول دائم رہے
یہ سن دیو اُس گل کے نزدیک آ — پکڑ ہاتھ اُسکا فلک پر اُڑا
گری اُس پہ جو آسمانی بلا — دل اُس نازنیں کا ہوا[1] ہو چلا
ہوا یوں جو اُس بخت واژوں[2] کا اوج — چلی آہ و نالہ کی ساتھ اُسکے فوج
کہا دل یہ رتبہ جو کچھ آج ہی — یہی عشق کی جان معراج ہی
کیا بند پھر جا کے اُس چاہ میں — کنواں وہ جو تھا قاف کی راہ میں
وہ یوسف کنوئیں میں ہوا جبکہ بند — ہوا اُس سے پستی کا رتبہ بلند
کھلے اس کنوئیں کے یکایک نصیب — کہ آیا وہ اُسمیں مہِ دلفریب
منور وہ گھر اُسکا سارا ہوا — کنوئیں کی وہ پتلی کا تارا ہوا
وہ اندھا پڑا تھا سو روشن ہوا — جواں اُسمیں وہ سانپ کا من ہوا
دے پانوں جب اُسکا تہ پر گیا — کنواں اُسکے اندوہ سے بھر گیا
زمیں میں سمایا تحیر سے آب — گئے سوکھ آنسو کنوئیں کے شتاب
ہوا اواں سے اوپر گئی کانپ کانپ — کنوئیں نے لیا سنگ سے منہ کو ڈھانپ
دل اُس نازنیں کا دھڑکنے لگا — جگر ٹکڑے ہو کر پھڑکنے لگا
اندھیرے اُجالے نہ نکلا تھا جو — ہوا قید آ اس اندھیرے میں وہ
نکلنے کی سوجھی نہ واں اُسکو راہ — ہوا اُسکی آنکھوں میں عالم سیاہ
اندھیرے نے اُسکا کیا دم خفا[3] — کہ جوں لے سیاہی کسیکو دبا

[1] ہوا ہونا۔ مراد بیقرار ہونا ۱۲ [2] واژوں۔ الٹا۔ برگشتہ۔ [3] گھٹنا ۱۲

فغاں کی بہت اور پکارا بہت | سر اپنے کو ہر طرف مارا بہت
پکارا وہ جس تس کو فریاد کر | نہ پہونچا کوئی کارواں بھی اُدھر
نہ مونس نہ غمخوار اُسکا کوئی | نہ تھا جز خدا یار اُسکا کوئی
وہی چاہ تاریک اُسکا رفیق | وہی سنگ سر پر بجا ہی شفیق
ہوا بھی نہ واں جس سے دمساز ہو | کنویں کی سنے کون آواز کو
کنواں ہی مدام اُسکا ہمدم رہے | جو اُس سے سنے وہی اُس سے کہے
کنواں اسکو پوچھے وہ پوچھے اُسے | اندھیری سوا کچھ نہ سوجھے اُسے
سیاہی میں وہ جیسے کافر کا دل | صعوبت[1] میں اُس سے جہنم خجل
نہ شب کی سیاہی نہ واں دن کا نور | سدا ظلمتِ غم کا اُس جا ظہور
غم دوری الفت کو کھا جیے | ہو پانی اپنا کنویں میں پیے
اس اندھیر کو کیا لکھوں اب میں آہ | قلم کے نکلتے ہیں آنسو سیاہ
نہ تھا وہ کنواں تھا ستونِ الم | نشانِ شبِ آفت و درد و غم
کروں مختصر یاں سے اب غم کی بات | لگا رہنے اُسمیں وہ آب حیات
نہیں مخلصی[2] سوجھتی اب اُسے | نکالے خدا دیکھیے کب اُسے
پھنسا اسطرح سے جو وہ بینظیر | پڑی بیقراری میں بدر منیر
بہم دو دلوں میں جو ہوتی ہے چاہ | تو ہوتی ہے دل کے تئیں دل سے راہ
قلق واں جو گذرا تو یاں غم ہوا | رُکا جی وہاں یاں خفا دم ہوا
کبھی دل نہ آیا جو وہ رشک ماہ | نظر میں ہوا اُسکی عالم سیاہ
لگی کہنے نجم النسا سے بُوا | خدا جانے اُس شخص کو کیسا ہوا

[1] صعوبت۔ سختی [2] مخلصی۔ رہائی چھٹکارا ۱۲

کہا اُسنے بی تمکو سودا ہی کچھ — وہ معشوق ہی اُسکو پروا ہی کچھ
خدا جانے کس شغل میں لگ گیا — مری چڑھ ہی اتنا بھی ہونا فدا
وہ رہ رہکے تمکو دلاتا ہے چاؤ — عبث آپ کو مت کرو تم تباہ
رُکے جو کوئی اُس سے رُک جائیے — جھکے آپ سے اُس سے جھک جائیے
تفوّل[1] بھلا کچھ نکالا کرو — ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو
یہ سن چپ رہی دلمیں کھا پیچ و تاب — دیا پھر نہ اس بات کا کچھ جواب
گئے اُسپہ جب دن کئی اور بھی — بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی — درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب — لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی — دُر اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی — بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے پھر کانپ کانپ — اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا — نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اُٹھنا اُسے — محبت میں دن رات گھٹنا اُسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو — تو اُٹھنا اُسے کہکے ہاں جی چلو
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے — تو کہنا یہی ہی جو احوال ہے
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی — پہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے — کہا خیر بہتر ہے منگوائیے
کسی نے کہا سیر کیجیے ذرا — کہا سیر سے دل ہی میرا بھرا

[illegible]

[1] تفوّل - فال نکالنا -

جو پانی پلانا تو پینا اُسے
غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے

نہ کھانے کی سُدھ اور نہ پینے کا ہوش
بھرا دلمیں اُسکے محبت کا جوش

چمن پر نہ مایل نہ گل پر نظر
وہی سامنے صورت آٹھوں پہر

نہفتہ اُسی سے سوال و جواب
سدا ارد و برد اُسکے غم کی کتاب

جو آجائے کچھ ذکر شعر و سخن
تو پڑھنے یہ اشعار میر حسن

[illegible]

غزل

یہ کیا عشق آفت اُٹھانے لگا
مرے دلکو مجھسے چھڑانے لگا

بلا میرے دلبر کو مجھسے خدا
نہیں تو مرا جی [لہ] ٹھکانے لگا

گنہ چشم خونبار کا کچھ نہیں
مرا دل ہی مجھکو ڈبانے لگا

فلک نے تو اتنا ہنسایا نتھا
کہ جسکے عوض یوں رُلانے لگا

نہیں مجھکو دشمن سے شکوہ حسن
مرا دوست مجھکو ستانے لگا

غزل یا رباعی دیا کوئی فرد
اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جسمیں درد

سو یہ بھی جو منہ کو نکلے نہیں
نہیں تو کچھ اسکی بھی خواہش نہیں

سبب یہ کہ دل سے تعلق ہے سب
نہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

داستان بدر منیر کے غم و اندوہ کی اور جلیش بائی کے بلانے میں

گلابی میں غنچے کی مجھکو شتاب
پلا ساقیا کیتکی کی شراب

لہ جی ٹھکانے لگا۔ جی کو سکون دے۔ یا جی کو فنا کر دے ۱۲۔

پیالے میں نرگس کے دے مے رچیاں
کہ دیکھو نہیں کیفیت بوستاں

حکایت کروں ایک دن کی رقم
کہ دنیا میں توام ہیں شادی و غم

اُٹھی سوتے اکدن وہ رشک پری
کہا جاکے دیکھوں چمن کو ذری

مگر غنچہ ساں کچھ کھلے میرا دل
کہ غم نے کیا ہے نپٹ[1] مضمحل

زبس گل سے آتی ہے بو یار کی
ہوا[2] پھر ہوئی اُسکو گلزار کی

پھر اکدن ہوا یہ کہ منہ ہاتھ دھو
چلی اُٹھکے والان سے سیر کو

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا

کہ زانو پہ اک پاؤں کو دھر لیا
اور اک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا

نہ پوچھ اُسکے پاے نگاریں کا حال
زبانِ حنا وصف میں جسکے لال

کفک[3] اور فندق سے لالہ کو داغ
نہو ایسی کیفیتِ پائیں باغ

طلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ
سنہری شفق جسکو ہو دیکھ دنگ

جواہر کے چھلے بھرے پور پور
زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ قور[4]

زبس سوتی اُٹھی تھی وہ نازنیں
پڑی تھی عجب ڈھب سے چینِ جبیں

خماری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں
وہ جوبن کے عالم کی سرسائیاں

جوانی کا موسم شروع بہار
وہ سینے سے اُسکے کچ[5] کا اُبھار

نشے میں وہ آ حسن کے بیٹھنا
وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ اینٹھنا

خواص ایک حقہ لیے تھی کھڑی
کہ لالے کی پتی تھی اُسمیں پڑی

وہ شیشہ کا حقہ مرصع کا کام
مغرق زری کا وہ نیچہ تمام

ولے ایک اُسپر پڑا تھا جو پیچ
یہ سب اُسکے آگے تھا گویا کہ ہیچ

---

[1] نپٹ بہت زیادہ ۱۲ [2] خواہش ۱۲ [3] کفک ایڑی، ۱۲ [4] قور - فیتہ یا گوٹ جو کپڑوں کے کنارہ پر لگی ہو [5] کچ - سینہ - چھاتی

لب نازک اوپر وہ مہنال دھڑ
نکالے تھی پردے سے دودِ جگر

ادھر اور اودھر ہر طرف تھی نگاہ
کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ

خواصیں کھڑی اُسکے سب گرد و پیش
جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش

کوئی مورچھل لے کوئی پیک داں
کوئی لے چنگیر اور کوئی ہاریاں

رسیلی چھبیلی بنی تنگ و چست
لباس اور زیور سے ہر اک درست

کھڑی نیچی آنکھیں کیے با ادب
اسی شرم سے پر قیامت غضب

وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھر نگاہ
اُدھر غنچیں آتے تھے سب پھول کاہ

کئی ہمدم اُسکی جو تھیں ماہرو
بچھائے ہوئے کرسیاں سو بسو

برابر برابر ادھر اور اُدھر
وہ گرد اُسکے بیٹھی تھیں بایکدگر

سماں اُسگھڑی کا لکھوں کیا میں آہ
ستاروں میں آوے نظر جیسے ماہ

عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
کہ ہر گل کی تھی اُسکے منہ پر نظر

چمن اُسگھڑی بر سر جوش تھا
گل و غنچہ جو تھا سو بیہوش تھا

زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
دو بالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی

معطر ہوا اور گل کا دماغ
کہ مہکا تمام اُسکی خوشبو سے باغ

پڑا عکس اُسکا جو طرفِ چمن
ہوا لالہ گل اور گل نسترن

درختوں پر اُسکی پڑی جو جھلک
زمرد کو دی اور اُسنے چمک

ہوئی اُسکے بیٹھے سے گلشن کو زیب
گیا اُڑ صبا کا بھی صبر و شکیب

چمن نے جو اُس گل کی دیکھی بہار
ہوا دیکھ اپنے گلوں کا نگار

گل و غنچہ و لالہ آپسمیں مل
لگے کہنے اِس باغ کا ہے یہ دل

گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ
ہوئی سرد کی شکل قمری کو آہ

ہوئے واں کے آئینہ دیوار و در
کہ اتنے میں کچھ جی میں جو آ گیا
اری ہے کوئی یاں ذرا جائیو
عجب وقت ہے اور عجب ہے سماں
خفا ہوں مرا جی بھی مشغول ہو
کسیطرح سے دل تو لگتا نہیں
یہ سنتے ہی دوڑی گئی اک نگار
وہ آنے لگی کافر اس آن سے
عجب چال سے وہ چلی نازنیں
وہ خلقت کی گرمی وہ ڈومنی پنا
لٹیں منہ پہ چھوٹی ہوئیں سربسر
وہ بن پوچھے ہونٹوں کی مسی غضب
فقط کان میں ایک بارلا پڑا
وہ پشواز اگرئی وہ نرگس کا ہار
بندھا سر پہ جوڑا اپڑی زروشال
وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ چست
وہ اٹھکی ہوئی چین پشواز کی
وہ منہدی کا عالم وہ توڑے چھڑے

وہ مہ سبکے دل میں ہوئی جلوہ گر
ادا سے لگی کہنے وہ دلربا
مری عیش بائی کو بے آئیو
کرے دو گھڑی آ کے مجرا یہاں
کوئی دم تو داغ جگر پھول ہو
جلے ہے جگر دل سلگتا نہیں
لیا عیش بائی کو اسنے پکار
کہ جانے لگا جی مسلمان سے
کہ مستی میں پانوں کہیں کا کہیں
نشے میں بھبھوکا سا چہرہ بنا
کہ بدلی ہو جوں مہ کے ادھر ادھر
کہ منہ پر تھی گویا قیامت کی شب
کہے تو کہ تھا مہ کے ہالا پڑا
وہ کمخواب کے بندرو سے ازار
کمر کی لچک اور مٹک کی وہ چال
کنارہ و نیپہ مینا بنت کا درست
وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی
وہ پانوں میں سونیکے دو دو کڑے

[1] مجرا گانا بجانا [2] حسیں معشوق [3] ڈومنی پن [4] اگرئی گہرا کشمشی رنگ [5] کپڑے کی لمبی چٹ پر نقرئی اور طلائی تاروں کا کام۔ مینا مرصع کاری [6] چین شکن۔

چلی واں سے دامن اُٹھاتی ہوئی — کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی
عجب ایک عالم تھا بیساختہ — کہ عالم تھا اک اُس پہ دل باختہ
لئی کافریں اور بھی دل نواز — لیے ساتھ ساتھ اُسکے سب اپنا ساز
چلیں ایک اغماز[1] اور ناز سے — کھڑی واں ہوئیں ایک انداز سے
روش پر جو تھا فرش اُسکے حضور — ادب سے وہاں بیٹھیاں دور دور
ہوا حکم گوری[2] کا جو بر ملا — لیے ساز اپنے سبھوں نے اٹھا
دیا آسمانپر[6] جو طبلوں کو کھینچ — ہر اک تھاپ نیں دل لیا سبکا اینچ
لگی گانے ٹپہ[3] وہ اس آن سے — نکلنے لگی جان ہر تان[4] سے
عجب تان پڑتی تھی انداز سے — کہ بیکل تھی ہر تان آواز سے
وہ بھی گٹکری[5] یا لڑی نور کی — مسلسل تھی اک پھلجھڑی نور کی
گل و غنچہ کی طرح محبوب تھی — کھلی اور مندی دل کو مرغوب تھی
غرض کیا کہوں اُسکا میں ماجرا — عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا
وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں — وہ گلشن کی خوبی وہ دنکا سماں
گھڑی چار دن باقی اُس وقت تھا — سہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا
درختونکی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ — وہ دھانونکی سبزی وہ سرسونکا روپ

---

۱ بظاہر غمزہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اغماز در اصل عیب کرنا چغلی کھانا ۲ گوری۔ ایک راگنی کا نام ہے رات کو دو بجے گائی جاتی ہے اور اسیوقت سوہنی برچ بھی گانے ہیں ۳ ایک راگ کا نام ۴ تان گانے کی لمبی اور بلند آواز ۱۲

۵ گٹکری۔ گویوں کے گانے میں جو سنجیدہ سر ہوتے ہیں اُسکو گٹکری کہتے ہیں مرکی بھی اسی انداز کی چیز ہے اسکو زمزمہ اور دانا بھی کہتے ہیں۔ سُر کے جھٹکے۔

۶ آسمانپر طبلوں کو کھینچنا۔ طبلے کا سُر چڑھانا ۱۲۔

لپیٹے ہوئے پوستوں پر تمام
روپہلے سنہرے ورق صبح و شام

وہ لاسے کا عالم ہزاریکا رنگ
وہ آنکھوں کے ڈورے نشے کا ترنگ

گلابی سے ہوجانا دیوار و در
درختوں سے آنا شفق کا نظر

وہ چادر کا چھٹنا وہ پانی کا زور
ہر اک جانور کا درختوں پہ شور

وہ سرو سہی اور وہ آب رواں
وہ پانی کا مستی سے بہنا وہاں

وہ اڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا
کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ

وہ رقص بتاں اور وہ ستھری الاپ
وہ گوریکی تانیں وہ طبلوں کی تھاپ

وہ دل پیٹنا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ
اچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ

نہ انساں کا ہی دل ہوا اسمیں بند
ہوئے محو سنکر چرند اور پرند

غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہگئے
اڑے جسجگہ تھے اڑے رہگئے

جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے
جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے

لگی دیکھنے آنکھ نرگس اٹھا
گلوں نے دیے کان اودھر لگا

لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت
کھڑے رہگئے سرد ہوکر کرخت

درختوں سے گرنے لگے جانور
بنے مثل آئینہ دیوار و در

ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن
بھرا اشک سے بلبلوں نے چمن

ہوئے نہر سنے سنگپائے پگھل
پڑے سارے فوارے اسکے اچھل

عجب راگ کو بھی دیا ہو اثر
کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر

بندھا اس طرح کا جو اسجا سماں
ہوا اسکے دل کا عجب حال واں

ولیکن جو کچھ دل[1] گیو نیر گیا
کہ بن[2] آئی ہر اک وہاں مرگیا

[1] دل گیو نیر۔ یعنی عاشقو نپر [2] بن آئی۔ بغیر موت ۱۲۔

لگا تھا زبس عشق کا اسکو تیر — لگی کھینچنے آہ بدر منیر
بندھا اسکو عاشق کا اپنے خیال — لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہیں کا کہیں لے اڑا اسکو راگ — ہوا سے ہوئی اور دونی وہ آگ
لگی کہنے ہے یہ دیکھو نہیں سیر — نہو پاس میرے وہ یادش بخیر
وہی جانے ہو جسکے کچھ دل کو لاگ — کہ معشوق بن سب ہے گلزار آگ
بھلا کیونکہ جی اسکا خوشحال ہو — کہ ہجراں کا غم جسکے دنبال ہو
جگر میں اگر آہ کی سول ہو — لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو
درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال — جسے یاد شمشاد کی ہو کمال
کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر — جسے اپنے گل کی نہووے خبر
یہ کہکر اٹھی واں سے وہ دلربا — چھپر کھٹ پہ جا کر گری منہ چھپا
خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا — ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
سب اٹھتے ہی بس اسکے جاتی رہیں — طوائف کہیں اور خواصیں کہیں
مری عقل اس جا پہ حیران ہے — کہ یا رب یہ کیسا گلستان ہے
ہر اک وقت ہے اسکا عالم جدا — جو چاہے یہ پھر ہو تو امکان کیا
کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار — نہیں اک وطیرے پہ لیل و نہار

داستان بےنظیر کے غم ہجر سے بدر منیر کی بیقراری میں

پلا ساقیا ایک جام شراب — کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب
شب ہجر کی پھر علامت ہوئی — غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی
گری جب چھپر کھٹ پہ وہ رشک حور — سبھوں کو کہا تم رہو دور دور

اکیلی وہ رونے لگی زار زار
گرے چشم سے اُسکے اتنے گہر
صبوحی[1] تو دے ساقی لعل فام
ہوا آفتاب الم جو طلوع
ذرا آئنہ لیکے دیکھا جو رنگ
بدنکو جو دیکھا تو زار و نزار
فلک کیطرف دیکھ اور شکر کر
زبانپر تو باتیں وہ لے دل اُداس
نہ منھ کی خبر اور نہ تن کی خبر
اگر سر کھلا ہی تو کچھ غم نہیں
جو مستی ہی وہ و نگی تو ہے وہی
جو سینہ کھلا ہی تو دل چاک ہے
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام
ولیکن یہ خوبو نکا دیکھا سبھاؤ[4]
نہیں حسن کی اسطرح بھی کمی
غرض بے ادائی ہی یاں کی ادا
جو ماتھے پہ چین جبیں غم سے ہے
وہ آنکھیں جو روتی ہیں بس پھوٹ پھوٹ

اُسی اپنے عالم میں بے اختیار
کہ دھویا اُسی آب سے منھ سحر
کہ رو دھو کے میں رات کاٹی تمام
اُداسی کا ہونے لگا دن شروع
تو جوں آئنہ رہگئی وہ بھی دنگ
کسیکو کوئی جیسے دیوے فشار[2]
لگی دلکو بہلانے ادھر اودھر
پراگندہ حیرت سے ہوش وحواس
نہ سر کی خبر سنے بدنکی خبر
جو کرتی ہی میلی تو محرم[3] نہیں
جو کنگھی نہیں ہی تو یوں ہی سہی
غم آلودہ صبح طربناک ہے
نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام
کہ بگڑے سے دونا ہو اُنکا بناؤ[5]
جو بگڑی ہی ہیٹھی تو گویا بنی
بھلو نکو سبھی کچھ لگے ہے بھلا
تو وہ بھی ہی اک موج دریا سے مے
تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ

[1] صبوحی وہ شراب جو صبح کو پی جائے [2] فشار۔ نچوڑنا بھینچنا۔ دبانا۔
[3] خبردار۔ باخبر۔ رازدار آگاہ [4] عادت طور طریقہ [5] بناؤ زینت۔

تپ غم سے یوں تمتماتے ہیں گال — کہ جوں رنگ لالہ ہو وقت زوال

گریباں سینے پہ ہے جو کھلا — تو گویا ہے وہ صبح عشرت فزا

نقاہت سے چہرہ اگر زرد ہے — دیا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے

ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا — کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی ہوا

داستان بیقراری بدر منیر کی بینظیر کے فراق میں اور نجم النسا کے تسلی دینے میں

پلا ساقیا ساغر بینظیر — پھنسی دام ہجراں میں بدر منیر

وہ حسن و جوانی اور اسیر غم — ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم

جہاں بیٹھنا آہ کرنا اُسے — بہانہ نزاکت پہ دھرنا اُسے

کبھی خون آنکھوں سے رو ڈالنا — کسیکو کبھی دیکھ دھو ڈالنا

خواصوں کو بالا[1] بتانا اُسے — اکیلے درختوں میں جانا اُسے

ولے اُن درختوں میں جسمیں وہ ماہ — سر شام چھپ چھپ کے کرتا نگاہ

سو یہ بھی بہر دن سے آواں مدام — اُسی چھانوں میں بیٹھ کرتی بھی شام

گیا اسطرح جب مہینا گذر — کہ وہ ماہ مطلق نہ آیا نظر

اور اُسکا اُدھر رنگ گھٹنے لگا — جگر خوں ہو مژگاں پہ بٹنے لگا

لگی رہنے تب جان بیتاب ہیں — لگا فرق آنے خور و خواب میں

محبت کا سودا سا ہونے لگا — جنوں تخم وحشت کا بونے لگا

سر کنے لگا پاس ناموس و ننگ — لگی عقل اور عشق میں ہونے جنگ

خموشی اُٹھانے لگی دلمیں شور — جتانے لگی ناتوانی بھی زور

[1] بالا بتانا۔ فریب دینا۔ بہانہ کرنا۔

یہ احوال دیکھ اُسکا دخت وزیر
لگی جلکے کہنے کہ بدر منیر

تو وہ ہے کہ سکھے تئیں دے ڈھون[1]
کدھر دل گیا تیرا اسے بیوقوف

مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت[2]
مثل ہے کہ جوگی[3] ہوے کسکے میت

اری چار دن کے ہیں یہ آشنا
ملا دل کو آخر کرے ہیں جدا

گئے آسمان کے زمیں کے ہیں یہ
جہاں بیٹھے جا بس وہیں کے ہیں یہ

تو بھولی ہے کس بات پر اسے بوا
خبر لے دوانی تجھے کیا ہوا

سنو جانی اپنے پہ جو کوئی مرے
تو دل بہلے اپنا بھی صدقے کرے

اگر آپ پر کوئی شیدا نہو
تو پھر چاہیے اُسکی پروا نہو

وہ خوش ہوگا اپنی پری کو لیے
عبث اُسپہ بیٹھی ہو تم جی دیے

تمہاری اُسے چاہ ہوتی اگر
تو اب تک وہ تمکو نہ آتا نظر

لگی کہنے تب اُسکو بدر منیر
کہ سنتی ہے اے میری دخت وزیر

کسیکی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ اُسکا خدا عالم الغیب ہے

وہ اپنے دلوں سے تو ہے نیکذات
ہوئی اُسپہ کیا جانے کیا واردات

ہوا قید یا آسنے پایا نہ وہ
گئے اتنے دن ابتک آیا نہ وہ

مجھے رات دن اُسکا رہتا ہے ڈر
پری نے سنی ہو نہ یا نکی خبر

نہ باندھا ہو اُسکو کسی صید میں
کیا ہو نہ اُسکے تئیں قید میں

پری نے کہیں طیش کھا لاف میں
دیا ہو نہ پھینک اُسکو کہ قاف[4] میں

پرستان سے بھی نکالا نہ ہو
کسی دیو کے منھ میں ڈالا نہو

نہ ملنے کے دکھ اُسکے سب میں سہے
بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے

[1] ڈھون دینا۔ ہوشیاری کی باتیں سکھانا [2] پیت محبت [3] جوگی ہوے کسکے میت۔ یعنی کسکے لئے جوگی ہوے [4] کوہ قاف۔ ایک پہاڑ۔ جہاں مشہور ہے کہ پریاں اور جنات رہتے ہیں ۱۲۔

یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی	گہر آنسوؤں کے پرونے لگی
گئی منڈکری[1] مار آخر کو لیٹ	چھپر کھٹ کے کونے پہ سر منہ لپیٹ

خواب میں دیکھنا بدر منیر کا بینظیر کو کنوئیں میں اور جوگن بنکر نکلنا نجم النسا کا اُسکی تلاش میں

پلا ساقیا جام جم سے وہ مُل	کہ غائب کا احوال ظاہر ہو کُل
کسی کے تو آ کام فرخندہ فال	کہ آخر یہ دنیا ہے خواب و خیال
ذرا آنکھ جھپکی جو اُس حال میں	تو دیکھا پھنسا اُسکو جنجال میں
قضا نے دکھایا عجب اُسکو خواب	کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب
یہ دیکھا کہ صحرا ہے اک لق ودق[2]	کہ رستم جسے دیکھ ہو جائے فق
نہ انسان ہے واں نہ حیوان ہے	فقط اک کفِ دست میدان[3] ہے
مگر بیچ میں اُسکے ہے اک کنواں	کہ اُٹھتا ہے آہوں کا اُسسے دھواں
کنوئیں کا ہے منہ بند اُس سے اڑی	کئی لاکھ من کی ہے اک سِل پڑی
صدا اُس سے آتی ہے بدر منیر	ترے چاہ غم میں ہوا ہوں اسیر
میں بھولا نہیں تجھکو اے میری جاں	کروں کیا کہ ہے مجھپہ قید گراں
پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے	فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے

۱۔ ہاتھ پیر سکیڑ کر پڑ رہنا۔ اوائی کھٹوائی لیکے لیٹ جانا۔

۲۔ لق ودق۔ ویران۔ میدان جہاں درخت اور آدمی نہوں ۳۔ کف دست میدان۔ ہموار صاف

تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے | تو اس قید غم سے چھڑا دے مجھے
نہیں مجھکو مرنے سے کچھ اپنے ڈر | پر غم ہے کہ تجھکو نہو وے خبر
تجھے کاش اس وقت میں دیکھ لوں | جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
ولیکن یہ ہے خام میرا خیال | نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
کوئی دم کا مہمان ہوں آجکل | اسی چاہ میں جائیگا دم نکل
یہ سن واردات شہ بےنظیر | جو چاہے کہ کرے بات بدر منیر
یہ ہرگز میسر نہ آئی اُسے | تھنا نے نہ اسکی سنائی اُسے
یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل | بھرے اشک رخسار پر آئے ڈھل
نہ وہ چاہ دیکھا نہ ہمراز وہ | پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
صدا اسنے یوسف کی سن خواب سے | اُٹھی باؤلی جان بیتاب سے
کہا گو کسی سے نہ اُسنے یہ بھید | ولے جوں مہ صبح چہرہ سفید
ڈھلے منھ پہ آنسو ہوا بسکہ رنج | چھٹے چاندنی میں ستاروں کے گنج[۱]
وہ مہتاب سا چہرہ ہو زرد زرد | سراپا ہوا شکل اندوہ و درد
زبس آہ پنہاں سے گھٹنے لگی | تو منھ پر ہوائی[۲] سی چھٹنے لگی
مژہ وہ نکیلی جو تھیں تیز سی | ہوئیں اشک خونیں سے گلریز سی
پھچھینا[۳] سا قد تھا جو رشک انار | نکلنے لگے اس سے شعلے ہزار
جلیں اسکی آہوں سے کل صورتیں | ہوئیں سب وہ مٹی کی جوں مورتیں
چھپایا بہت اُسنے پر ہمنشیں | چھپائے سے آتش چھپے ہی کہیں

۱ گنج، ذخیرہ، گنج چھوٹنا بہت سے پٹاقوں کا اکدم چھوٹنا ۱۲ ۲ منھ پر ہوائی چھوٹنا یا اُڑنا، چہرے کا رنگ اُڑنا ۱۲
۳ پھچھینا، ایک قسم کی چنبا جسکو بہوئیں چنبا بھی کہا جاتا ہے، ایک قسم کی آتشبازی ۱۲

کسی سے کسیکو جو ہوتی ہے لاگ — بغیر از کہے اور لگتی ہے آگ
خواصیں گئی وہ جو ہمراز تھیں — بڑی خدمتوں میں سرافراز تھیں
کہا اُنسے رو رو کے احوال خواب — رُلایا اُنھیں پڑھکے غم کی کتاب
سنا جبکہ نجم النسا نے یہ حال — ہوئی بیقراری تب اُسکو کمال
لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا — ترے واسطے میں نے اب دکھ سہا
بس اب سر بصحرا نکلتی ہوں میں — اُسے ڈھونڈھ لانیکو چلتی ہوں میں
جو باقی رہا کچھ مرے[۱] دم میں دم — تو پھر آکے یہ دیکھتی ہوں قدم
دگر مر گئی تو بلا سے ہوئی — تو یوں جانیو مجھپہ صدقے ہوئی
کہا شاہزادی نے سُن اے رفیق — ہوئی میں تو اس چاہ غم میں غریق
بھلی جنگلی اپنی نہ کھو جان تو — کہ وہ ہے پری اور انسان تو
رسائی تری ہوگی کیونکر وہاں — مجھے بھی نہ دے ہاتھ سے میری جان
میں جیتی ہوں اس آسرے پر فقط — کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط
وگرنہ میں رُک رُک کے مر جاؤنگی — اسیطرح جی سے گذر جاؤنگی
کہا اُسنے کیا کیجیے پھر بھلا — پڑی ابتو اپنے ہی سر پر بلا
میں اس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی ڈول[۲] — ترے غمسے آنے لگا مجھکو ہول
تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں — اس اندوہ کا مجھکو یارا نہیں
یہ کہہ اُسنے رو رو اُتار اسنگار — کیا اپنی پشواز کو تار تار
گریبان کو مثل گل چاک کر — دیا خاک پر پھینک ادھر اُدھر
پھر آئی جو کچھ اُسکو ہوش و حواس — سجا تن پہ جوگن کا اُسنے لباس

۱ میرے دم میں دم ہے تو۔ یعنی اگر میں زندہ ہوں تو ۲ ڈول۔ ڈھنگ ۱۲۔

پہن سیلی[1] اور گیروا اوڑھ کھیس
چلی بنکے صحرا کو جوگن کے بھیس

کئی سیر موتی جلا راکھ کر
بھبھوت[2] اپنے تن پر ملا سر بسر

پہن ایک لہنگا زری[3] باف کا
وہ پردہ سا کر اُس تن صاف کا

زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ
بدن کو چھپا اور گاتی[4] کو باندھ

زمرد کے مُندرے[5] لگا کان میں
کہ جوں سبزہ گل ہو گلستان میں

گلے بیچ ڈال اپنے بالوں کے تئیں
پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں

زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا
کیا سنبلستان[6] کو جگمگا

لٹیں دیکھے بل دوش پر چھوڑ دیں
وہ باگیں سی شبدیز[7] کی موڑ دیں

مے غم سے آنکھوں کو کر لال لال
رکھا چشم میں خون دل کو نکال

زمرد کی سمرن[8] کو ہاتھوں میں ڈال
اور اک بین کاندھے پر اپنے سنبھال

جو منکے[9] تھے من کے اسے کر درست
پہن اپنے موقع سے چالاک و چست

چلی بنکے جوگن وہ باہر کے تئیں
دکھاتی ہوئی چال ہر ہر کے تئیں

تپِ سوز دل کا عیاں منہ سے حال
اُڑاتی چلی اپنی آہوں سے رال[10]

---

[1] سیلی وہ بالوں یا سیاہ ریشم کا تاگا جو گلے میں باندھتے ہیں۔ ہندو فقیر ایسا کرتے ہیں۔ اور بعض وقت صرف زینت کے لئے کلائی پر باندھتے یا گلے میں ڈالتے ہیں ۱۲ [2] بھبوت راکھ۔ جو جوگی سنیاسی اپنے بدن پر ملتے ہیں [3] زری باف ایک قسم کا کپڑا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا ہوتا ہے ۱۲ [4] گاتی۔ چادر یا دوپٹے کو دونوں کاندھوں پر ڈال کر سینہ کو باندھنا۔ [5] مُندرا۔ وہ حلقے جو جوگی کانوں میں پہنتے ہیں [6] سنبلستاں سے مراد۔ زلفیں۔ بال [7] شبدیز سیاہ رنگ کا گھوڑا۔

[8] سُمرن ہندوانہ تسبیح۔

[9] منکے۔ وہ مُہرے جو فقرا گلے میں پہنتے ہیں۔

[10] رال اڑانا۔ آگ کے ذریعہ سے رال کو بارود کی طرح اُڑانا ۱۲

اُس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں
صفا راکھ سے اور چمکی وہاں

کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند
چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند

چھپانے کو سوانگ[1] اُسنے جو جو کیے
غرض حسن نے اور جلوے دیے

وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دمک
شبِ تیرہ میں کہکشاں ہے فلک

زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے
کہ جوں شب میں کوئی بنیٹی[2] کرے

زمانیکو بھلائی جو اُسکی ادا
تو اُس رات پر دلکو صدقے کیا

کرے جو کہ تقویم[3] دل سے حساب
کہے سنبلہ میں گیا آفتاب

یہ برق اور یہ ابر سیہ ہے اگر
تو داماں عشاق ہوئینگے تر

زمرد کے مندرے وہ اس آن پر
کہوں کیا کہ جیسے کھلے کا پر

وہ مندرے وہ تن اسکا خاکستری
ہوئی حسن کی اور کھیتی ہری

اُڑے سبزہ و گل کے دیکھ اُسکو ہوش
وہ دونوں ہوے اُسکے حلقہ بگوش

نظر کر صفائی کو اُس گوش کی
زمرد کو اُس گوش کی لو لگی

بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرد کی شان
جب ایسے سکیلے لگے جا کے کان

وہ موتی کی مالا وہ مونگے کا ہار
گل نسترن کی چمن میں بہار

گلابی سے وہ نرگس شوخ رنگ
بھرے جسمیں لالا کے لالے نے رنگ

وہ قشقہ کھنچا سُرخ ماتھے پہ یوں
پڑے نور پر لعل کا عکس جوں

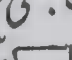
ادا اُسکی دیکھے جو عاشق کبھو
تو رو یا کرے چشم سے وہ لہو

۱ سوانگ۔ روپ بھرنا۔ تماشا ۲ بنیٹی کرنا۔ بنیٹی پھرانا۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ بانس کے دونوں سرونپر دو گیندیں یا مشعلیں باندھ کر اسطرح پھراتے ہیں کہ حلقہ بندھ جاتا ہے ۱۲۔

۳ تقویم جنتری ۱۲

یہ بین[1] اسکے کاندھے پہ تھی خوشنما
دیارِ محبت میں بہنگی[2] تھی وہ
نہ تھی بین تھے قمقمے رنگ کے
سو وہ بین کاندھے پہ رکھ یوں چلی
ہر اک تار تھا بین کا رود[3] نیل
نہ عاشق ہوے اُسکے عالم پہ لوگ
بنی جبکہ جوگن وہ اس رنگ سے
وہ رخصت جو اسطرح ہونے لگی
وہ رو رو کے دو ابر غم یوں ملے
یہانتک بند تھا اسکے رونیکا تار
کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گرد و کل
نہ دیکھا کسی نے جو یہ کچھ اختیار
چلی جسطرح بیٹھ اپنی دکھا
کسی نے کہا بھولیو مت مجھے
کہا اُسنے خیر ابتو جاتی ہو نمیں
تمھیں بھی خدا کو میں سونپا سنا

چلے جوں کوئی مست شیشہ اُٹھا
نہ تھی بین عشرت کی بہنگی تھی وہ
دیا تھے سبو بحر آہنگ کے
کہ لاوے کوئی جیسے گنگا جلی
وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل
دوانہ ہوا جوگ دیکھ اُسکا جوگ[4]
لگے پھوڑنے دست و پا سنگ سے
تو وہ صاحب خانہ رونے لگی
کہ جسطرح ساون[5] سے بھادوں ملے
بہے پھوٹ دیوار و در ایکبار
وہ رو رو ہوے شبنم آلودہ گل
کہا حق کو سونپا تجھے سکے لے سدھار
اسیطرح دکھلا[6] ہمیں منہ پھر آ
خدا کے تئیں میں نے سونپا تجھے
جو ملتا ہے تو اُسکو لاتی ہو نمیں
مرا بخشیو تم کہا[7] اور سنا

۱ بین - ایک باجا ۲ بہنگی - ترازو کی طرح کی ایک چیز بنا کر کندھے پر رکھتے اور اسکے ذریعہ سے بوجھ ڈھوتے ہیں شکل  ۳ رودنیل ایک دریا کا نام جو مصر میں واقع ہے ۴ جوگ - درویشی - سنیاس ۵ ساون بھادوں ملنا ساون کے مہینے کا ختم ہوکر بھادوں کا شروع ہونا۔ ۶ جانے والے سے کہتے ہیں کہ جیسے بیٹھ دکھاتے ہو اسی طرح منہ دکھانا ۷ کہا سنا بخشنا - یعنی خطا معاف کرنا۔

جدا ہو کے القصہ رو تو نکو چھوڑ — چلی اپنے گھر بار سے منہ کو موڑ
نہ سُدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی — نکل شہر سے راہ جنگل کی لی
لیے بین پھرتی تھی صحرا نورد — تن چاک چاک اور رُخ گرد گرد
کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے — کہ جس سے وہ شیدا کا شیدا ملے
جہاں بیٹھکر وہ بجاتی تھی بین — تو سننے کو آتے تھے آہوئے چین
بجاتی وہ جوگن جہاں جوگیا[1] — تو واں بیٹھتی خلق دھونی رما
اُسے سنکے آتا تھا صحرا کو جوش — صدا سے درختونکو آتا خروش
اگل نغمہ جو اُس سے گرتے ہزار — تو لیتا اُسے دشت دامن پسار
کہیں حلقہ کہیں لخت لخت — کھڑے ہو کے گرد اُسکے سنتے درخت
بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بنکے بین — خس و خار سنتے تھے تن تن کے بین
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی — ہر اک عالم شوق میں تھی کھڑی
تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی — دد[2] و دشت غش میں پڑے تھے سبھی
یہانتک کہ رہ میں جو تھے نقش پا — وہ بیٹھے تھے کان اپنے اُودھر لگا
گل نغمۂ تر کی یہ تھی بہار — کہ صحرا کے گل اُسکے آگے تھے خار
سُن آوازہ کی اُسکی شان و شکوہ — نکلنے لگی دب کے آواز کوہ
نہ پانی ہی سُن شور اُسکا چلے — کنوئیں کے بھی دلمیں اُٹھے ولولے
نہ غنچے ہی کچھ آبدیدہ رہے — گریبان کر چاک دریا بہے
ہوا بلبل و گل کا یانتک ہجوم — کہ گرتی تھیں واں ڈالیاں جھوم جھوم
تحیر کا تھا واں ہر اک کو مقام — زبان کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام

[1] جوگیا - ایک راگنی کا نام [2] دد - درندے جانور

چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں | بساتی تھی جنگل میں ڈنگل کے تئیں
یہ ہر جا پہ تھا اُسکے دم سے طلسم | بندھا تھا اُسی دم قدم سے طلسم
شب و روز سرگشتہ مثل صبا | اسیطرح پھرتی تھی وہ جابجا

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جوگن پر

کدھر ہے تو اے ساقی گلعذار | کہ صحرا سے اب دل ہوا خارخار
کوئی پھول سی دے شتابی شراب | کہ شہر مطالب کو پہونچوں شتاب
وہ دارو پلا دل کو جو راس ہو | کہ جینے کی بیمار کے آس ہو
مسبب کے اسباب دیکھو ذرا | کہ قدرت میں اُسکی ہر کیا کیا بھرا
سفید و سیہ اُسکے ہے اختیار | بنایا ہے اُسنے یہ لیل و نہار
جہاں میں ہے اندوہ و عشرت بہم | کہیں صبح عیش و کہیں شام غم
دو رنگی زمانے کی مشہور ہے | کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے
قضارا سہانا سا اک دشت تھا | کہ اک شب ہوا اُسکا واں بسترا
وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ | ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشک مہ
بچھی ہر طرف چادر نور تھی | یہی چاندنی اسکو منظور تھی
بچھا مرگ چھالے[1] کو اور لیکے بین | دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبیں
کدارا[2] بجانے لگی شوق میں | لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اسکے ہاتھ | کہ مہ نے کیا دائرہ لیکے سات[3] تھ
بندھا اسطرح کا جو اس جا سماں | صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں

[1] مرگ چھالا - ہرن کی کھال جسے اکثر جوگی وغیرہ بچھاتے ہیں [2] کدارا - ایک راگ کا نام [3] ساتھ کرنا سنگت کرنا۔

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر
وہ اُجلا سا میداں چمکتی سی ریت
درختوں کے پتے چمکتے ہوے
درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور
دیا یہ کہ جو گن کا منھ دیکھکر
گیا ہاتھ سے بین سنکر جو دل
وہ صورت خوش آئی جو اُس نور کی
ہوا[1] بندھ گئی اسگھڑی اس اصول
درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
کدارے کا عالم تھا یہ اُسگھڑی
یہاں تو یہ عالم تھا اور طور یہ
کہ تھا اک پریزاد فرخ سیر
نہایت طرحدار صاحب جمال
ہوا پر اُڑائے ہوے اپنا تخت
وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیر ماہ
یکایک سنی بین کی جو صدا
جو دیکھے تو جوگن ہے اک رشکِ حور
نظر کر کے حسن اُسکا غش کر گیا
یہ سمجھا بنا دیٹ کا کچھ بھلیس ہے

وہ براق سا ہر طرف دشت و در
اُگا نور سے چاندتاروں کا کھیت
خس و خار سارے جھمکتے ہوے
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
ہوا نور سایہ کا ٹکڑے جگر
گئے سایہ و نور آپسمیں مل
دل اپنے پہ سایہ نے منظور کی
بسیرا اگئے جانور اپنا بھول
لگی وجد میں بولنے واہ وا
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی
تس اوپر مزا تم سنو اور یہ
جنوں گئے تھا وہ بادشہ کا پسر
برس بیس اکیس کا سن و سال
کسی طرف جاتا تھا فیروز بخت
اُسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ
وہاں تخت لا اُسنے اپنا رکھا
کہ چشم فلک نے نہ دیکھا یہ نور
تعشق کے عالم میں بس مر گیا
لگا کہنے جوگی جی آدیس[2] ہے

[1] ہوا بندھنا۔ سماں بندھنا [2] سلام۔ حکم ۱۲۔

پڑا تم پہ ایسا کہو کیا بجوگ[۱]
کدھر سے تم آئے کہاں جاؤ گے
وہ سمجھی کہ اسکا دل آیا ادھر
خس و خار ہے عشق حسن آگ ہے
دلے راگ ہے اور انہیں سوا
کہا ہنسکے جوگن نے ہر[۳] بول ہر
کہا تب پریزاد نے واہ جی
نہ رو[۶]کھی ہو اتنا بھلا جاؤنگا
کہا ہوش[۵]تے سوتے سے اپنے کہو
یہ دو دو لطیفے جو باہم ہوئے
گیا بیٹھ آ سامنے ریت میں
نظر حسن پر گارہ گہ بین پر
رہا تن بدن کا نہ کچھ اسکو ہوش
وہ جوگن جو تھی درد و غم کی اسیر
نہ سدھ[۸] گھر کی لی اور نہ لی راہ کی
بجاتی رہی بین وہ صبح تک
ادھر تان پر بین کی تھی بہار
دھری اپنے کاندھے پہ جب اسنے بین

لیا واسطے کسکے تمنے یہ جوگ
دیا[۲] اپنی ہمپر بھی فرماؤ گے
کہ دل بھی تو رکھتا ہے دلکی خبر
سدا عشق اور حسن میں لاگ ہے
کہ دونوں طرف آگ ڈیے ہے لگا
یہاں سے تو آیا چلا جا ادھر
بہت گرم[۴] ہیں آپ اللہ جی
ذرا بین سنکر چلا جاؤنگا
فقیروں کو چھیڑو نہ بیٹھے رہو
اسی لطف میں یہ تو بیدم ہوئے
رہا کھیت یہ تو اسی کھیت میں
سرایا دل اس لعبت چین پر
بنا گل وہ جوں نقش پا چشم و گوش
ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی فقیر
جب آئی ذرا سدھ تو پھر آہ کی
یہ رویا کیا سامنے بیدھڑک
بندھا تھا ادھر اسکے رونیکا تار
اٹھی لیکے انگڑائی زہرہ جبین

---

[۱] مصیبت - جدائی۔ [۲] دیا۔ رحم یکر یا مہربانی [۳] ہر بول ہر - یعنی خدا خدا کر [۴] گرم۔ مراد تیز طرار
[۵] ہوتے سوتے کو کہنا عزیزوں کے حق میں برے الفاظ کہنا [۶] سدھ - خبر - ہوش [۷] نہ روکھی ہو یعنی بد خلقی نہ کرو ۱۲

پریزاد نے تب پکڑ اُسکا ہاتھ | شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ
زمیں سے اُڑا آسمان کے تئیں | وہ کتنا کہا کی نہیں رہے نہیں
نہ مانا اور اُسنے اُڑایا اُسے | پرستان میں لاکر بٹھایا اُسے
یہ مژدہ گیا باپ پاس اپنے لے | کہا عرض رکھتا ہوں میں آپ سے
یہ جوگی جو ہے ایک صاحب کمال | ذرا بین سنیے اور اسکے خیال
بہت آپ اس سے اُٹھائینگے حظ | بہت بین سن اسکی پائینگے حظ
کہا اُس نے بابا بہت خوب ہے | ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے
کہا آؤ جوگی جی بیٹھو ادھر | کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر
کھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے | عزیز و نیز ہمارے نے قدم آپ کے
بہت اُسکی تعظیم و تکریم کی | جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی

داستان فیروزشاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بُلانے میں

پلا مجھکو ساقی محبت کا جام | کہ دھانیوں میں ہوا دن تمام
یہ جوگن جو بیٹھی برہوگن[1] ہوئی | کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی
بھبھوت اپنے منھ پر شتابی سے مل | رکھ انڈوا[2] دیکھو مہ کے شب آئی نکل
دکھاتی ہوئی سوز دل دور سے | اُڑاتی ہوئی رال کو نور سے
ستاروں کی مالا گلے بیچ ڈال | وہ پہونچی پرستان میں حال حال[3]
ہوئی شب کو وہ بزم انجم فروز | چھپا رشک سے اُسکے پردے میں روز
ملک نے پرستان میں مجلس بنا | بُلایا اُسے جسکی تھی یہ ثنا

[1] فرقت زدہ [2] انڈوا - گول حلقہ جو جوگی سر پر رکھتے ہیں [3] حال حال - جلد جلد

پری زاد سارے ہوئے جمع واں / کہ دیکھیں تو جوگن کا چلکر سماں
وہ جوگن جو سچ مچ تھی زہرہ جبیں / سو مجلس میں آئی لیے اپنی بیں
بہت منتوں سے بلایا اُسے / بڑی عزتوں سے بٹھایا اُسے
کہا ہم ہیں مشتاق کچھ گائیے / سماں بین کا ہمکو دکھلائیے
کہا کچھ بجانا نہیں اپنا کام / ہر اک طرح لینا ہمیں ہر[1] کا نام
ہے بیزار فرمائشوں سے فقیر / ولے کیا کریں اب ہوئے ہیں اسیر
کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے / کرم آپ کا ہمپہ دن رات ہے
جو مرضی ہو تو تمکو تکلیف دیں / نہیں جسمیں راضی ہو تم سو کریں
کہا اسطرح سے جو فرماؤگے / تو ہاں بندگی ہی میں کچھ پاؤگے
یہ کہہ اُسنے اور بین کاندھے پہ دھر / یہاں تک بجائی کہ دیوار و در
کھڑے رہ گئے ہوش کھوئے ہوئے / نظر جو پڑے واں سو روئے ہوئے
گیا اہل مجلس کا جو دل پگھل / تو جوں شمع اشک آئے سب کے نکل
ہوئیں بین پہ انگلیاں یوں رواں / کہ ہاتھوں سے اُسکے ہوا دل رواں
رواں و دواں کر دیا جان کو / رُلایا ہر اک جن و انسان کو
ہوا حال پر اُسکا یہ کچھ تباہ / وہ عاشق جو تھا اُسپہ فیروز شاہ
کبھی سامنے آکے کرتا نظر / کبھی دیکھتا چھپ کے ادھر اُدھر
ستوں کے کبھی اوٹ میں ہو کے وہ / کھڑا دیکھتا اُسکو رو رو کے وہ
کبھی ادھر اُودھر سے پھر پھر کے آ / چھپے اُسکے کھڑے کی لیتا بلا
وہ گو کچھ تھی سنتی نہ کہتی اُسے / کنکھیوں سے پر دیکھ رہتی اُسے

[1] خدا۔

نظر اُسکی جب آن پڑتی اُدھر — تو یہ اور کیطرف کرتی نظر
اس آن و ادا پر وہ فیروز شاہ — دل و جاں سے کرتا تھا ہر لحظہ آہ
اگر کوئی جوگن کی کرتا ثنا — تو کھا رشک کہتا کہ پھر تمکو کیا
غرض تھی یہ صحبت کہ میں کیا کہوں — یہی دل تھا اُسکا کہ دیکھا کروں
بجی پہلی صحبت میں واں ایسی بین — کہ غش کر گئے وے جو تھے نکتہ چین
سراہا پریزاد کے باپ نے — کہا کی دیا جوگی جی آپ نے
اسی طرح ہر شب کرم کیجئے — مری بزم رشکِ ارم کیجیے
مقدم ہمارا رجھانا[1] کرو — ہمیں اپنا مشتاق جانا کرو
یہ گھر بار ہے آپ کا ہی تمام — ہوے آج سے ہم تمہارے غلام
تکلف کو موقوف کر دیجیے — جو کچھ تمکو درکار ہو لیجئے
کہا اسنے مطلب نہیں کچھ ہمیں — تمہارا مبارک رہے گھر تمہیں
کہاں تم کہاں ہم ہوا یہ جو ساتھ — یہ تھی بات سب آب و دانہ کے ہاتھ
یہ کہہ واں سے اُٹھی وہ جوگن اُدھر — دیا تھا جہاں اُسکے رہنے کو گھر
لگی رہنے اُسمیں شب و روز وہ — سمجھ جی میں کچھ کچھ دل افروز وہ
کہا اپنے جی سے کہ سنتا ہے جی — نہ گھبرائیو اپنے دل میں کبھی
[2] ببینم کہ تا کردگار جہاں — وریں آشکارا چہ دارد نہاں
غرض اسطرح اُسکا معمول تھا — کہ اُس شاہ پریوں کی خدمت میں جا
پہر رات تک ہنستی اور بولتی — ہر اک بات میں قند تھی گھولتی
بجا بین سبکو رجھاتی تھی وہ — پہر کے بجے گھر میں آتی تھی وہ

[1] رجھانا۔ متوجہ کرنا لبھانا [2] دیکھوں کہ جہان کا مالک اس پردہ میں کیا بات چھپائے ہوئے ہے ۱۲ م

ولے کیا کہوں حال فیروز شاہ — کہ تھی دن بدن اُسکی حالت تباہ
نہ دنیا کی اُسکو نہ دیں کی خبر — اُسیکے تصور میں شام و سحر
اُسی شمع کے گرد پھرنا اُسے — پتنگے کے مانند گرنا اُسے
بہانے سے ہر کام کے روز و شب — وہیں کاٹنی اُسکو اوقات سب
اسی طرح اوقات کھونا اُسے — سدا اپنی سن سنکے رونا اُسے
وہ جوگن بھی سو سو طرح کر ادا — ہر اک تان میں اُسکو لیتی لبھا
ولے کچھ بھی پاتی جو حسن طلب — تو عاشق پہ غصہ وہ کرتی غضب
کبھی خوش کیا اور کیا گہ اُداس — کبھی دور بیٹھی کبھی اُسکے پاس
کیا اُسنے پردے میں جب کچھ سوال — دوانہ کیا اُسکو باتوں میں ڈال
کبھی ترچھی نظروں سے گھائل کیا — کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا
کبھی ٹیڑھی باتوں سے مارا اُسے — کبھی سیدھے دل سے پکارا اُسے
کبھی ہنسکے دیکھا ذرا خوش کیا — کبھی ہو کے غمگیں ناخوش کیا
کبھی منہ چھپایا دکھایا کبھی — کبھی مار ڈالا جلایا کبھی
لٹو نمیں کبھی دل کو لٹکا دیا — کبھی ساتھ بالوں کے سٹکا[۱] دیا
وہ ہر چند آنکھیں دکھاتی رہی — یہ نظروں میں دل کو لبھاتی رہی
بچارا پریزاد وہ سادہ دل — ادائیں یہ انسانکی مستقل
اسیطرح مدت گئی جب اُسے — چڑھی گرمیٔ عشق کی تب اُسے
نہ منہ پر وہ عالم رہا اور نہ نور — کئی[۲] دن میں دل ہو گیا چور چور
جگر خوں ہو آنکھوں سے آیا اُبل — گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل

[illegible] ادا ادائیں انسان کی مستقل

۱ سٹکنا۔ بھاگ جانا۔ سٹکانا۔ متعدی۔ ۲ مراد تھوڑی ہی مدت۔

یہ دی پردۂ دل سے جی نے صدا ۔ کہ ہے صبر کی اپنے اب انتہا

جو کہنا ہے اُس سے تو کہہ حال دل ۔ کہ اب تنگ ہے اپنا احوال دل

سنبھلنا ہے اب بھی تو ظالم سنبھل ۔ نہیں کوئی دم میں چلا میں نکل

ملا کر تو اب دست افسوس کو ۔ پڑا رہ لیے ننگ و ناموس کو

یہ سن جی کا پیغام مجبور ہو ۔ کہا اپنے نزدیک[1] کو دور ہو

بلا سے اگر آن[2] رہتی نہیں ۔ کہ اب بن کہے جان رہتی نہیں

غرض ایکدن بات یہ ٹھانکر ۔ لگا گھات[3] پر اپنی وہ آنکر

نہ تھا اُس گھڑی کوئی ایدھر اُدھر ۔ اکیلی پڑی ہے اُسکو جوگن نظر

اکیلی اُسے دیکھ ہو بے قرار ۔ گرا پانو پر اُسکے بے اختیار

گرا اسطرح سے قدم پر جو وہ ۔ تو کہنے لگی مسکرا اُسکو وہ

کہ ہے آج یہ کیا خلاف قیاس ۔ گرا اتنا تو ہو کے کیوں بے حواس

کسی نے ترا دل ستایا کہیں ۔ دیا جی کو تیرے لبھایا کہیں

مرے بیٹھنے سے اذیت ہوئی ۔ کہ تھانیو کی مصیبت ہوئی

فقیروں سے اتنا نہ ہو تو خفا ۔ چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا

اذیت مگر ہمسے پاتا ہے تو ۔ کہ اب پانوں پڑ پڑ اُٹھاتا ہے تو

لگا کہنے رو رو کے فیروز شاہ ۔ کہ بس بس یہی تو کہو گی نہ واہ[4]

تمھاری سمجھ سنے تو مارا ہمیں ۔ یہ باتیں نہیں اب گوارا ہمیں

ستائے ہوئے کو ستاتی ہو کیا ۔ جلے دل کو ناحق جلاتی ہو کیا

ہوئیں تم نہ واقف مرے حال سے[5] ۔ فدا ہیں رہا جان اور مال سے

---

[1] مراد ہم نشین [2] آن۔ عزت آبرو۔ عہد۔ وضع [3] گھات۔ داؤ۔ موقع۔

تم اپنا سا مجھکو سمجھتے رہے — بھلا تمکو اب یاں کوئی کیا کہے
تم ایسی ہی بیرحم و بیدرد ہو — غرض اپنے عالم میں تم فرد ہو
کہا اُسنے لے کہہ شتاب اپنا حال — کہ توکیوں گرا سر کو پاؤں میں ڈال
کہا تب پریزاد نے میریجان — کہانتک کروں راز دل کا نہاں
بھلا ہجر میں کب تلک ہوں ملول — غلامی میں اپنی مجھے کر قبول
لگی ہنسکے کہنے کہ اک طور سے — جو میری کہانی سنے غور سے
مطلب اگر میرے بر لائے تو — تو شاید مراد اپنی بھی پائے تو
کہا اُسنے پھر جلد فرمائیے — جو کچھ آپ سے ہو بجا لائیے
کہا اُسنے یہ ہے مری داستان — اک شہر سراندیپ ہے اک مکاں
ملک ایک واں کا ہے مسعود شاہ — کہ بیٹی ہے ایک اُسکی مانند ماہ
جہانمیں ہے بدر منیر اُسکا نام — میں رہتی تھی خدمت میں اُسکی مدام
بنایا تھا اُسنے الگ ایک باغ — کہ فردوس کا تھا وہ چشم و چراغ
جدا باپ سے تھی وہ اُسجا مقیم — سدا سیر کرتی تھی بیخوف و بیم
ہے نجم النسا اسکی دخت وزیر — ہمیشہ سے ہمراز تھی اور مشیر
جدا ایک دم اُس سے ہوتی نتھی — سُلائے بغیر اُسکے سوتی نہ تھی
خوشی سے سروکار غم سے فراغ — برنگ چمن رہتی تھی باغ باغ
کسی طرح کا غم نتھا دھیانمیں — ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں
ہوئی ایکدن یہ عجب واردات — کہ اک شخص وارد ہوا ایک رات
کہانتک کہوں اُسکا قصہ ہے دور — نہ تھا آدمی نور کا تھا ظہور
گیا اُسپہ اُس شاہزادی کا دل — گئے کچھ دنو نمیں وہ آپسمیں مل

دلے عاشق اُسپر تھی کوئی پری — محبت میں تھی اُسکی وہ بھی بھری
کہیں وانکے آنے کی سنکر خبر — خدا جانے پھینکا ہی اُسکو کدھر
ویا قید میں اُسکو ڈالا کہیں — کہ مدت سے اُسکی خبر کچھ نہیں
سویں کھوج میں اُسکے جوگن ہوئی — یہانتک تو پہونچی برہ[1] جوگن ہوئی
پریزاد آپسمیں تم ایک ہو — اگر تم ذرا کھوج اُسکا کرو
تو شاید مدد سے تمھاری ملے — تو پھر آرزو بھی ہماری ملے
دل آباد ہو جی کو آرام ہو — تمھارا بھی اس کام میں کام ہو
کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا — انگوٹھا[2] دکھایا کہ اترا انجا
کہا پھر یہی کچھ نہیں مہ جبین — لگی ہنسکے کہنے نہیں رے نہیں
یہ سن قوم کو اپنی اُسنے بلا — تفقد سے سبکو بلا کر کہا
کہ جاؤ تو ڈھونڈھو کرو مت کمی — کہ ہی اک پرستاں میں قید آدمی
جو تم میں سے لا دیگا اُسکی خبر — جواہر کے دونگا لگا اُسکے پر
یہ سن اپنے سردار کا سب کلام — تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام
ہوا ایک کا ناگہاں واں گذر — جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر
وہ روتا جو تھا نالہ و آہ سے — تو کچھ اُسکو آئی صدا چاہ سے
کہا کچھ تو ملتا ہی یانسے سراغ — کہ آتی ہی یاں بوسے گلزار داغ
وہ چوکی کے جو دیو تھے جا بجا — لگا پوچھنے کسکی ہی یہ صدا
کہا ماہرخ کا ہی قیدی یہاں — کنویں میں تڑپتا ہو اک نوجواں
وہ تحقیق کر اور لے وانکا بھید — اُڑا شہر کو اپنے دیو سفید

[1] برہ جوگن۔ فراق زدہ ۱۲ [2] ٹھینگا دکھانا۔ بے ادائی جتانا۔ چڑھانا۔

کیا جا کے فیروز شہ کو سلام / سن آیا جو کچھ تھا سنایا کلام
کہا میرا مجرا[1] ہے اب لائیے / جو دینا کہا ہے سو دلوائیے
جو معمول تھا وا نکے انعام کا / جواہر کے اُسکو دیے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہرخ کو

یہ بھیجا پھر اس ماہرخ کو پیام / کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی حرام
بنی آدموں کو تو چوری سے لا / بھاتی ہر گھر میں تعشق جتا
ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال / تو کیا حال ہو تیرا پھر اے چھنال
عزیز اپنی رکھتی نہیں جان کو / یہی ہر کہ پھونکوں پرستان کو
ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں / تجھے کیا پریزاد جڑتا نہیں
ہمارا گئی بھول خوف و خطر / لگی رکھنے انسان پر تو نظر
بھلا چاہتی ہر تو اُسکو نکال / کنوئیں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال
اور اُسکی قسم کھا کہ پھر گر کہیں / لیا نام اُسکا تو پھر تو نہیں
گیا ماہرخ کو یہ فرمان جب / ہوئی خوف سے وہ پریشان تب
کہا مجھسے تقصیر اب تو ہوئی / کہو اُسکو لیجائے یا نسے کوئی
اگر اب میں لاگو ہوں اُسکی کبھی / تو پھر پھونک دیجو مجھے تم ابھی
پر اتنا یہ احسان مجھپر کرو / کہ اس کا پرستاں میں چرچا نہو
مرے باپ کو یہ نہووے خبر / کہ پھر میں نہ ایدھر کی ہوں نے اُدھر
یہ سنکر جواب اسکا فیروز شاہ / چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ

[1] مجرا۔ ادب سے سلام کرنا۔

سر چاہ پر جب وہ پہونچا شفیق ۔۔۔ کہا اُنکو تھے وہ جو اُسکے رفیق
کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے بلے ۔۔۔ کسیطرح چھاتی سے پتھر ٹلے
کھڑے تھے جو دے دیو ان جوں پہاڑ ۔۔۔ انھوں نے دیا اپنے سینے کو گاڑ
وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگ راہ[1] ۔۔۔ دیا پھینک وانسے اُسے مثل کاہ
وہ بادل سا سر کا جو اُس چاہ سے ۔۔۔ تو اک نور چمکا شب ماہ سے
اندھیرے لیے اس چاہ کے اسکا تن ۔۔۔ نظر یوں پڑا جیسے کالے کا من
وہ من ڈالے اُسمیں پڑا تھا جواں ۔۔۔ کہا اُس پریزاد نے سبکو ہاں
نکالو امانت ابھی اس نمط ۔۔۔ کہ لیتے ہیں بو مشک سے جس نمط
تمھیں احتیاط اسکی اب ہے ضرور ۔۔۔ سمجھیو اسے اپنی پتلی کا نور

داستان کنویں سے نکلنے میں بینظیر کے

قدح بھر کے لا ساقی باتمیز ۔۔۔ کنویں سے نکلتا ہے یوسف عزیز
گئے دن خزاں کے اور آئی بہار ۔۔۔ مئے لالہ گوں سے دکھا لالہ زار
گلابی چھلکتی پلا دے مجھے ۔۔۔ سماں کوئی ایسا دکھا دے مجھے
کہ وہ ماہ نخشب[2] کنویں سے نکل ۔۔۔ منازل کو اپنے پھرے بر محل

[1] سنگ راہ۔ وہ چیز جس سے آمد و رفت میں رکاوٹ ہو۔ [2] ماہ نخشب۔ نخشب ماوراءالنہر کے ایک شہر کا نام جو شہر سبز کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک حکیم ابن عطا نے جو ابن مقنع کے نام سے مشہور ہے۔ پارہ وغیرہ سے ایک چاند بنایا تھا۔ اور وہ چاند مدت دو ماہ تک ہر رات کو کنویں سے نکلتا تھا۔ یہ کنواں پائین کوہ سیام میں واقع تھا۔ اس چاند کی چار فرسنگ تک روشنی ہوتی تھی یہ کنواں جس سے چاند نکلتا تھا نخشب سے دو فرسنگ پر واقع تھا ۱۲۔

کوئی دیو تھا وہ ان سکندر نژاد — کنوئیں میں اتر کر بحسب مراد
الگ یوں لے آیا کنوئیں سے نکال — کہ فوارہ جوں آب کو دے اچھال
لے آیا وہ جوں خضر سو گھات سے — نکال آب حیوان کو ظلمات سے
ہوئی مست اس ناز بو سے وہ گل — کہ نکلا وہ سنبل سے مانند گل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں — کہ حرفوں سے جوں ہو ویں معنی عیاں
وہ جیتا تو نکلا و لیے اس طرح — کہ بیمار ہو نزع میں جسطرح
زبس اوپر آنے کا تھا اسکو غم — کہے تو کہ بھرتا تھا اوپر[۱] کا دم
جمی خاک تن پر برنگ زمیں — گڑا جیسے نکلے ہے پتلا کہیں
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں — کہ جوں خشک ہو نرگس بوستاں
وہ تن سرخ جو تھا سو پیلا ہوا — وہ جوڑا جو تھا سبز نیلا ہوا
وہ سر میں جو تھے اسکے سنبل سے بال — ہوئے لاغری سے بدن کی وبال
فقط پوست باقی تھا اور استخواں — نتھا خون کا رنگ بھی درمیاں
بدن سے رگوں کی تھی اس ڈھب نمود — کہ الجھی ہو جوں ریسمان کبود
بدن خشک و زرد اسطرح تھا وہ گل — خزاں دیدہ ہو جسطرح برگ گل
وہ ناخن جو تھے اسکے مثل ہلال — سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدر کمال
یہ دیکھا جو احوال اسکا تب آہ — تو روتا ہوا چلا فیروز شاہ
بٹھا تخت پر اپنے اسکو وہاں — لے آیا وہ بیٹھی تھی جو گن جہاں
رکھا تخت اک جا پہ اسکا چھپا — کہا پھر یہ جاکر کہ نجم النسا
چل اب تو کہ میں اسکو لایا یہاں — یہ سنتے ہی گھبرا کے بولی کہاں

۱؎ اوپر کا دم بھرنا مراد آخری سانسوں سے ۱۲۔

دوانی تھی از بس وہ اُس نازنیں کی — نہ سر کی رہی سُدھ نہ کچھ پانوں کی
کہا چل کہاں ہے بتا تو مجھے — ذرا اُسکی صورت دکھا تو مجھے
کہا رہیے چلیو ذرا تھم رہو — کہ شادی بڑی ہو کہیں غم نہو
یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اُسکا ہاتھ — لے آیا وہ جوگن کو واں ساتھ ساتھ
گیا آپ اس تخت پر بیٹھ اور — دکھایا اُسے اور کہا کر تو غور
جسے ڈھونڈھتی تھی سو یہ ہو وہی — کہا ہاں رہے ہاں یہ وہی ہو وہی
یہ کہہ اور اُس تخت کے پاس آ — کہا اے پریزاد تو اُٹھ ذرا
کہ اس تخت کے گرد اکدم پھردیں — بلائیں میں دل کھولکر اسکی یوں
کہا اُسنے ہنسکر بھلا دیکھ تو — تو اس بات پر میرے صدقے بھی ہو
کہا اُسنے تب اپنی جوتی دکھا — ارے دیو تو کیوں دوانہ ہوا
غرض وہ پریزاد نیچے اُتر — کھڑا ہو گیا تخت سے ہو اُدھر
یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی — بلا اُسکی نے لیکے گرنے لگی
گلے لگ کے رونے لگی زار زار — کیا اُسنے تن من کو اُسپر نثار
وہ دیکھے جو ٹک آنکھ اُٹھا بے نظیر — تو نجم النسا ہے یہ دختِ وزیر
کہا تو کہاں اور کسکا یہ جوگ — کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ لوگ
کہا تیرے غم نے دوانہ کیا — کہ عالم سے اپنے بگانہ کیا
بغل کھولکر دونوں آپسمیں مل — وے رویا کیے دیر تک متصل
بیان اپنا دونوں جو کرنے لگے — دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگے
کہی سرگذشت اُسنے اُسدم تلک — کہ اسطرح پہونچے ہو تم ہم تلک
یہ سُن بےنظیر اپنے دلسوز سے — لگا شاد ہونے اُسی روز سے

سلہ نام ۱۲

کیا ایکدن تو انھوں نے مقام
چلے دوسرے دن وہ نزدیک شام

اُسی تخت پر بیٹھکر وہ اُدھر
کہ تھا نقش مطلوب اُنکا جدھر

وہ جوگن وہ فیروز شاہ اور وہ ماہ
چلے تخت پر بیٹھ اوپر کی راہ

پڑھے حرف مطلب ز بس سوچکر
تو بے کسر بیٹھے مثلث نئے گھر

مربع نشیں تھی جو بدر منیر
وہاں اُسکو لائی وہ دختِ وزیر

اُتارا وہیں لا درختوں میں تخت
دوبارہ کھُلے اُن درختوں کے بخت

اکیلی اُترو انسے آئی اِدھر
لیے سوگ بیٹھی تھی وہ مہ جدھر

یکایک جو آ وہ قدم پر گری
تو جھجکی وہ شہزادی اور کچھ ڈری

پھر آخر جو دیکھا تو جوگن ہے یہ
مرے درد و غم کی بروگن ہے یہ

کہا میری نجم النسا تو ہے جان
اری تیرے صدقے مری مہربان

ہمیں تیرے ملنے کی کب آس تھی
کہ جینے سے اپنے ہمیں یاس تھی

بہت اُسنے چاہا کہ ہووے کھڑی
کھڑی ہوتے ہوتے وہیں گر پڑی

کہا بار غم سے افاقت نہیں
اری کیا کروں مجھ میں طاقت نہیں

بلائیں لگی لینے نجم النسا
لگی گرد پھرنے بر رنگِ صبا

اُسے شاہزادی کا تھا حال یاد
جو دیکھا تو یاں اُس سے کچھ ہے زیاد

نہ گھر کی وہ رونق نہ اُسکا وہ حال
گلوں سے لگا دل تلک پائمال

پڑے سارے بے داشت دیوار و در
محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر

خواصیں جو تھیں پاس وہ نازنیں
سو میلی کچیلی کہیں کی کہیں

نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی درست
جو چالاک تھی بن گئی وہ بھی سست

ہر اک اپنے عالم میں دیکھو تو دنگ
اُڑا رنگ چہرے کا مثلِ پتنگ

نہ آپسکی چہلیں نہ وہ چہچہے ۔ نہ گانا بجانا نہ وہ قہقہے
غم آلودہ ہر ایک زار و نزار ۔ نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار
جو بیٹھیں تو رونا جو اُٹھیں تو غم ۔ غرض بیٹھتے اُٹھتے اُنپر ستم
چمن سارے ویران سے ہیں پڑے ۔ شجر گل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے
جو خود ہے تو حیران و بیمار سی ۔ کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی
نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس ۔ ضعیف و نحیف و پریشان اُداس
یہ دیکھ اُسکا احوال نجم النسا ۔ جلی شمع کیطرح آنسو بہا
ولیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم ۔ گیا مثل پروانہ اُسپر ہجوم
سنی ایک نے ایک سے یہ خبر ۔ مبارک سلامت ہوئی یکدگر
کوئی غنچے کی طرح کھلنے لگی ۔ کوئی دوڑ کر اُس سے ملنے لگی
ٹکے کوئی صدقے کے لانے لگی ۔ کوئی سر سے ردئی چھوانے لگی
کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی ۔ ادھر سے کوئی اور اُدھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی ۔ لگی کرنے آپسمیں چرچا کوئی
ہوا سرپہ اُسکے زبس اژدحام ۔ لگی کرنے گھبرا کے سبکو سلام
کہا بیبیو کل کہونگی میں حال ۔ کہ اب راہ کی ماندگی ہی کمال
وہ ابنوہ جب کچھ ہوا برطرف ۔ تو پھر دیکھ نجم النسا ہر طرف
کہا شاہزادی تو آتی نہیں ۔ ادھر اپنی تشریف لاتی نہیں
چلو چلکے آرام ٹک کیجیے ۔ کچھ اک تمسے کہنا ہو سن لیجیے
گئی جبکہ خلوت میں بدر منیر ۔ کہا میں لے آئی ترا بینظیر
یہ سُن ایکدم تو وہ غش کر گئی ۔ کہے تو کہ حیرت میں آ مر گئی

تعجب سے پوچھا کہ سچ مچ ہے یہ — دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہنسی یہ
کہا مجھکو سوگند اس جان کی — غلط کہنے والی میں قربان کی
نشاط و خوشی کی خبر یک بیک — نہیں منھ پہ کہہ بیٹھتے بیدھڑک
کہا کیونکہ لائی کہا اس طرح — وہ سب کہدیا حال تھا جسطرح
ترا قیدی جا کر چھڑا لائی ہوں — اور اک اور بندھوا[1] اڑا لائی ہوں
کہا پھر وہ دونوں کہاں ہیں کہا — درختوں میں انکو رکھا ہے چھپا
عجب وقت ہیں میں ہوئی تھی جدا — کہ دلبر کو تیرے دیا لا ملا
مگر ایک یہ آ پڑی بے بسی — کہیں تیری خاطر بلا میں پھنسی
سو اب ایک کو تو لے آتی ہوئیں — ہوا دوسرے[2] کو بتاتی ہوئیں
یہ سن شاہزادی ہنسی کھلکھلا — کہا کیوں اڑاتی[3] ہے نجم النسا
اری ایک ہی تو بڑی قہر ہے — کہیں تو ہے امرت[4] کہیں زہر ہے
چل اب چوچلے بس زیادہ نہ کر — شتابی انھیں جا کے لے آ ادھر
کہا پھر پریزاد کے روبرو — بغیر از کئیکے کہے ہو گی تو
کہا وہ تو ایسا دوانا نہیں — وہ اس بات کو کیا کہیگا نہیں
اگر دلمیں کچھ تیرے وسواس ہے — نہیں دور وہ بھی ترے پاس ہے
ذرا پوچھ لیجو تو اس بات کو — کہ وہ روبرو اسکے ہو یا نہو
یہ سنکر شتابی گئی وہ نگار — لیا جا کے آہستہ انکو پکار
چھپائے ہوئے لا بٹھایا وہاں — وہ خلوت کا جو تھا قدیمی مکان
پھر اس سے یہ پوچھا کہ اے بینظیر — کہے تو چلی آئے بدر منیر

[1] بندھوا۔ قیدی۔ پابند۔ اسیر [2] ہوا بتانا۔ ٹالنا۔ فریب دینا ۱۲ [3] اڑانا فریب دینا [4] امرت۔ آبحیات

کہا خیر ہے تجھکو رشکِ چمن — چھپے ہی کہیں بھائی سے بھی بہن
مرا جان و مال اُسپہ قربان ہے — کہ اُسکے سبب سے مری جان ہے
مرا یہ تو ہمدم ہی دن رات کا — مجھے اس سے پردہ ہی کس بات کا

داستان بنظیر اور بدر منیر کے ملنے کی اور اُسکے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے منھ سے ساقی ملا دے شراب — کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب
یہ سن سنکے باتیں وہ پردہ نشیں — چلی آئی اک ناز سے نازنیں
حیا سے پھر آکر جو بیٹھی وہ پاس — پھر آہی گئے اُسکو ہوش و حواس
اُدھر اشک خونیں اِدھر چشم نم — اُسے اُسکا غم اور اِسے اُسکا غم
نہ وہ رنگ اسکا نہ وہ اُسکا حال — تن زرد و زرد اور رخ لال لال
بہم وہ خزاں دیدہ گلزار سے — ملے جیسے بیمار بیمار سے
عجب صحبت آپسمیں اُس دم ہوئی — کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی
وہ نجم النسا اور فیروز شاہ — حیا سے کیے اپنی نیچی نگاہ
ہر اشک محبت بہانے لگے — اس احوال پر حیف کھانے لگے
اور اسطرف کو شاہزادہ نڈھال — لگا رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
وہ مجروح دل تھی جو بدر منیر — لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر
چھپا منھ کو اسطرف سے نازنیں — لگی کرنے تر دامن و آستیں
پڑیں غم کی باتیں جو آدرمیاں — یہ روئی کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں
غرض دیر تک ملکے روتے رہے — جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے
رخ زرد پر اشک گلگوں بہا — بہار و خزاں کو کیا ایک جا

کلیجو نپہ جو داغ تھے بیشمار | سو آنکھوں سے اُنکی دکھائی بہار
پھر آخر کو نجم النسا وہ شریر | لگی کہنے سنتی ہے بدر منیر
گیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا | زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا
اگر تیری خاطر یہ رویا ہو کم | کہ تو اور رورو کے دیتی ہو غم
ذرا تن میں آنے دے اسکے تواں | ابھی اسکو رونے کی طاقت کہاں
یہ مُردہ سا لائی ہوں میں اسلیے | کہ دیکھے سے تیرے شتابی جیے
وہاں میں نے اسکی نہیں کی دوا | کہ ہے خانۂ یار دار الشفا
لے آئی ہے اسکو محبت کی دھن | جیا ہو فقط تیرے ملنے کی سُن
اسے وصل کی اپنے دارو پلا | کسیطرح اس نیم جان کو جلا
بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو | خدا پھر نہ تمکو رُلائے کبھو
نہیں خوش تمنا پاس آئے ہوے | رہیں دو جنے منھ پھلائے ہوئے
یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپسمیں مل | پڑیں جسطرح پھول گلشن میں کھل
بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط | اُبلنے لگے دل سے عیش و نشاط
شب آدھی گئی جب تو خاصہ منگا | تکلف سے ہر اک کے آگے دھرا
عجب چہل سے سب نے آپسمیں مل | کیا نوش حسب تمنائے دل
پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے | الگ خوابگاہوں میں جا سو گئے
اُٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال | ہوے اس مزے میں وہ خواب و خیال
الگ ہو کے لیٹی جو وہ ماہرو | ہوئی لیٹے لیٹے عجب گفتگو
وہ گذرا ہوا یاد کر کے حال | لگے رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہا شاہزادے نے احوال سب | کنوئیں میں جو گذرا تھا رنج و تعب

کہ یوں میں اندھیرے میں رویا کیا
کنوئیں میں تن اپنا ڈبویا کیا

نہ پہونچا کوئی میرا فریاد رس
تڑپتا رہا دل برنگِ جرس

وہ تاریک خانہ مرا گھر رہا
سدا میری چھاتی پہ پتھر رہا

محبت نے یہ جانفشانی اور دی
کہ تن کے تئیں جیتے جی گور دی

زمیں سے نکلنے کی کب آس تھی
فلک کے مجھے ہاتھ سے یاس تھی

عجب طرح سے زیست کرتا رہا
تری جان سے دور مرتا رہا

خدا ہی نے تجھسے ملایا مجھے
اُٹھا قبر سے پھر جلایا مجھے

دیا شاہزادی نے رو رو جواب
کہ میں نے بھی اک شب یہ دیکھا تھا خواب

ترے داغ کی دل میں جو بو گئی
میں اک رات روتی ہوئی سو گئی

تو کیا دیکھتی ہوں کہ صحرا ہے ایک
اور اُس دشتِ ہو میں کنواں سا ہے ایک

صدا وانسے آتی ہے بدرِ منیر
اِدھر آ کہ یاں قید ہے بینظیر

میں ہر چند چاہا کروں تجھسے بات
ولے کیگئی واں نہ کچھ مجھسے بات

مریجان گو اسطرف ڈھل گئی
اُسیدم مری آنکھ پھر کھل گئی

عجب اُسگھڑی مجھپہ گذرا قلق
کہ دل اور جگر ہو گیا میرا شق

اُسی دن سے یہ حال پہونچا مرا
کہ مرتی رہی نام لے لے ترا

نہ دیتا تھا گو کوئی تیری خبر
ولے تھا ترے غمسے دل کو اثر

گذرتا تھا واں مجھپہ جو صبح و شام
وہ اندھیر تھا مجھپہ روشن تمام

پہ کہتی میں کس سے یہ درد نہاں
شب و روز جلتی تھی میں شمع ساں

عجب طرح سے زیست کرتی تھی میں
کہ اس زیست کرنیسے مرتی تھی میں

اسی غم میں رہتی تھی لیل و نہار
کہ کیونکر ملاوے گا پروردگار

مری شکل پر رو کے نجم النسا — گئی اسطرح حال اپنا بنا
پھر آ گئے تو معلوم ہو تمکو سب — کہ ہم تم ملے پھر اُسیکے سبب
یہ آپسمیں کہہ حال دل رو اُٹھی — وہ کہنے کو سوئی تھی بس سوئی اُٹھی
جو ملتے ہیں بچھڑے ہوے ایک جا — اُنھیں نیند یا تو نہیں آتی ہے کیا
پریزاد و نجم النسا وال جدے — الگ اپنی باتوں نہیں سرگرم تھے
کٹی رات حرف و حکایات میں — سحر ہو گئی بات کی بات میں
شب وصل کی جو سحر ہو گئی — تو سوتوں کو گویا خبر ہو گئی
لیا ماہ نے اپنے منھ پر نقاب — اُٹھا بستر خواب سے آفتاب
صبوحی کو اُٹھتا ہے جیسے مدام — شراب شفق سے بھرے اپنا جام
لیے روز کو ساتھ آنے لگا — وہ سوتوں کو شب کے جگانے لگا
ہوئی چشم وا اور مژگاں دراز — سپید و سیہ میں ہوا امتیاز
گیا عقدۂ صبح اُسدم جو کھل — نکل آئے ادھر اُدھر سے وہ کھل
اُٹھے جب کہ آپسمیں گلفام وہ — گئے باری باری سے حمام وہ
دوبارہ کیا سب نے اپنا سنگار — چمن میں نئے سر سے آئی بہار
وہ جوگن ہوئی تھی جو نجم النسا — جمی گرد اپنے بدن سے چھڑا
نہا دھو کے نکلی عجب آن سے — کہ الماس نکلے ہے جوں کان سے
نہانیسے نکلا عجب اُسکا روپ — نکل آئے بدلی سے جسطرح دھوپ
دلے آگ اُسنے لگائی یہ اور — کہ پوشاک کی سرخ لالے کے طور
جلانیکو عاشق کے دکھلا یہ پھبن — لیا سرخ لاہی[1] کا جوڑا اپہن

[1] لاہی ۔ ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا ۱۲۔

تمامی کی سنجاف اُس پر لگا
طلا کی طرح سے دیا ڈگڈگا

اُسی رنگ کے ساتھ کا سب لباس
تصور میں ہو سُرخ جھلکے قیاس

بھبھوکا سا تن اور وہ منھ کی دمک
کہ جوں شعلہ آتش سے اُٹھے بھڑک

نکیلی وہ اُٹھتی ہوئی چھاتیاں
بھری اپنے جوبن میں اتراتیاں

گلے کی صفائی وہ کُرتی کا چاک
ترڑاکے کی انگیا کیسی ٹھیک ٹھاک

وہ کنچن سی اُسمیں نچیں لال لال
بھری رنگ سے قمقمے کی مثال

نلاہٹ وہ بھٹنی کی اُس سے نمود
کہ جوں سرخ چہرے پہ خال کبود

گیا باغبان حسن کا دھر کے پھول
کنول کی کلی پر بنفشہ کا پھول

کھلے تو لیے اپنے منھ پر نقاب
شفق میں چھپے جوں مہ و آفتاب

بنت گرد اُسکے نہ کیونکر پھرے
کہ واں گوکھرو لہر کھا کر گرے

وہ پاجامۂ سبز کمخواب اور
دوپٹہ بنارس کا سورج کے طور

جواہر سجا اپنے موقع سے سب کلی
ترشح میں ہو جیسے نمدیدہ گل

وہ کنگھی کھنچی اور وہ ابرو کھنچے
ہر اک آنمیں اپنی ہر سو کھنچے

گھبوری وہ چوٹی زری کا موباف
کہ جوں دود کے بعد شعلہ ہو صاف

عروسانہ اُسنے کیا جو لباس
تو آنے لگی خو کی اُسمیں باس

بنی جبکہ اس رنگ وہ رشک حور
چلی آئی فیروز شہ کے حضور

پریزاد تو قتل ہی ہو گیا
کسے تو کوئی جان سے کھو گیا

۱ ڈگڈگانا - جھلکنا روشن ہونا سرخ ہونا۔ ۲ ایک چمکدار کپڑا۔ ۳ کنچن صاف شیشہ ۱۲
۴ نلاہٹ - نیلاپن - بھٹنی - پستان کے اوپر کی گھنڈی ۵ گھبوری چوٹی - چوٹی کی ایک قسم کی مضبوط گندھاوٹ ۱۲-

حیا سے نہ کی بات سُنے کچھ کہا
ولے جی سے قربان اُس پر رہا

وہ بن ٹھن کے آپس میں رہنے لگے
بہم راز دل اپنے کہنے لگے

خوشی سے ہوئے بسکہ سرسبز دل
لگے سبزیاں[١] پینے آپس میں مل

ضیافت بہم ملکے کھانے لگے
وہ غم کھانے اُنکے ٹھکانے لگے

چھپے عیش و عشرت وہ کرتے رہے
پہ غیروں کے چرچے سے ڈرتے رہے

اگرچہ ہر اک وصل سے شاد تھا
ولے ہجر کا غم اُنہیں یاد تھا

یہ ٹھہرا کے نکلے وہ دو ماہ رو
کہ اسباب کو کیجیے ایک سو

غضب ہے جو یوں ہیں دو بار رہیں
چھپے کب تلک آشکارا رہیں

سہی ہجر یہ تکلیف آرام کو
یہ ناکامیاں ورنہ کس کام کو

نصیب اس طرح سے جو یاری کریں
عیاں کیوں نہ ہم خواستگاری کریں

جب آپس میں یہ مشورے ہو گئے
اِدھر اور اُدھر سلکے دو دو گئے

وہ نجم النسا اور وہ بدر منیر
کچھ اک کر بہانہ وہ دونوں شریر

رہیں گھر میں پھر جا کے ماں باپ کے
کہ دیکھینگے اب ہم قدم آپ کے

نکل بنیظیر اور وہ فیروز شاہ
کسی شہر میں رکھکے فوج و سپاہ

کر اسباب سب سلطنت کا درست
پھر آئے اُسی جا یہ چالاک و چست

وہاں کا جو تھا شاہ انجم سپاہ
جسے لوگ کہتے تھے مسعود شاہ

نامہ بھیجنا بنیظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بدر منیر کے

کیا نامہ یوں ایک اُسکو رقم
کہ اے شاہ شاہاں و اے فخر جم

[١] سبزیاں - بھنگ۔

فریدوں مثال و سکندر نژاد	مراد جہان و جہانِ مراد
جہانِ شجاعت زمانِ کرم	دلِ رستم گرد و حاتم ہمم
میں وارد ہوں یاں ایک مہماں غریب	لے آئے ہیں مجھکو مرے یاں نصیب
نوازش سے اپنی کرم کیجیے	غلامی میں اپنی مجھے لیجیے
ہمیشہ سے ہے راہ و رسم جہاں	کہ وابستہ یونہیں ہے کارِ جہاں
جہاں پر ہے روشن کہ میں ماہ ہوں	ملکزادہ ابنِ ملک شاہ ہوں
ہراک مجھسے واقف ہے برنا[1] و پیر	کہ ہے نام میرا شہِ بے نظیر
بیاں سب کیا ماضی و حال کا	تجمل لکھا فوج و اموال کا
جتا کر بہت عجز اور انکسار	لکھا حرف اک یہ بھی آخر کی بار
کہ جو ہووے برعکس شرعِ شریف	وہ ہے اپنے مذہب میں اپنا حریف
اگر مانیے خیر تو مانیے	نہیں آپ آیا ہمیں جانیے
گیا یہ جو مسعود شہ کو پیام	سنا اور پڑھا خط کا مضموں تمام
سمجھ اسکا مضمون مسعود شاہ	کہ اتنی ہے فوج اور یہ کچھ ہے سپاہ
اگر جنگ ہو تو بڑی جنگ ہو	پھر اس میں خدا جانے کیا رنگ ہو
اور آخر یہی ہے زمانہ کی چال	کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال
نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے	ہمیشہ سے عالم برومند[2] ہے

جواب نامہ بنظیر کا ملک مسعود شاہ سے

لکھا نامہ اسکے دو ہیں درجواب	اگر عاقل کو نکتہ سگے ہے کتاب

[1] برنا - جوان - [2] برومند پھل دینے والا۔

لکھا بعد حمد و ثنائے خدا | پس از نعت احمد[2] شہ انبیا
کہ نامہ تمھارا جو سربستہ تھا | وہ راز نہاں اپنے ہاتھوں کھلا
شریعت کے عالم میں مجبور ہیں | نہیں اپنے نزدیک ہم[1] دور ہیں
اگر ہم کبھی اپنے دعوے پہ آئیں | تمھارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں
ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکو نکے طور | نہیں نیک و بد پر تمھیں اپنے غور
کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں | سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں
ولے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ | وگرنہ گھمنڈ آپکا کیا ہے یہ
زبس ہمکو ہے پاس شرع رسول | سو اسواسطے کرتے ہیں ہم قبول
خلاف پیمبر[2] کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
اک اچھی سی تاریخ ٹھہرائیے | دیا حکم ہمنے تمھیں آئیے
گیا ایلچی لیکے نامہ اُدھر | اُڑی ہر طرف یہ خوشی کی خبر
سنی یہ جو نامہ کی گفت و شنید | ہوئی شاہزادے کو گویا کہ عید
کشادہ ہوئے دل جو تھے غمسے تنگ | اُسیدل سے ہونے لگے راگ و رنگ
ہوئیں ہر طرف سب دل آزاریاں | لگیں ہونے شادی کی طیاریاں
بلا شگنیوں کو بتا سال و سن | مقرر کیا نیک ساعت کا دن

داستان بنیظیر اور بدر منیر کے بیاہ کی اور اُسکے تجمل میں

کدھر ہے تو اے ساقی گلبدن | دھری آج اُس شمعرو کی لگن[3]

۱ دور ہیں یعنی ہمارے خیالات بہت بلند ہیں ۱۲ ۔ ۲ جو پیغمبر صلے اللہ علیہ و علے آلہ و اصحابہ وسلم کے خلاف ہو کر رستہ چلا وہ منزل پر نہیں پہنچ سکتا ۱۲ ۔ ۳ لگن دھرنا۔ بیاہ کے پہلے لڑکی والے سکے یہاں سے کچھ سامان اور شادی کے متعلق مقرر کردہ تاریخ کا ایک تحریر کردہ کاغذ لڑکے والے کے یہاں جاتا ہے ۱۲۔

بلا مطربانِ خوش آواز کو
کہ آویں لیے اپنے سب ساز کو

وہ اسباب شادی کا تیار ہو
مکرر نہ پھر جسکی تکرار ہو

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز
چڑھا بیاہنے وہ مہِ دل فروز

محل سے نکل جب ہوا وہ سوار
بجے شادیانے بہم ایک بار

کروں اُس تجمل کا کیونکر بیاں
کہ باہر ہے تقریر سے وہ سماں

وہ دولہا کے اُٹھتے ہی اک غل پڑا
لگا دیکھنے اُٹھکے چھوٹا بڑا

کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا
کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا

لگا کہنے کوئی ادھر آئیو
ارے رتھ نشانی مری لائیو

کسی نے کسیکو پکارا کہیں
نہ لانے پہ میانیکے[1] مارا کہیں

کوئی پالکی میں چلا ہو سوار
پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار

جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں
کوئی آنگے[2] تانگے میں بیٹھا کہیں

سپر اور قبضے کھڑکنے لگے
سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے

ٹکوروں[3] سے وہ نوبت کے اور اُنکے بعد
گرجنا وہ دھونسوں کا مانند رعد

وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں
جنھیں گوش زہرہ مفصل سنیں

ہزاروں تماشی کے تخت رواں
اور اہل نشاط اُنپہ جلوہ کناں

وہ طبلوں کا بجنا اور اُنکی صدا
وہ گانا کہ اچھا بنا لاڈلا

وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار
وہ موتی کا سہرا جواہر نگار

ٹھہر کر وہ گھوڑوں کا چلنا سنبھل
ہما کے وہ دونو طرف مورچھل

---

[1] میانہ۔ ایک سواری جسے کہار وغیرہ اٹھاتے ہیں ١٢

[2] آنگے تانگے کی چیز۔ مستعار شے۔ [3] ٹکورا۔ نوبت اور ڈھول کی آواز۔ دھونسا، بڑا نقارہ ١٢

وہ فانوسیں آگے زمردنگار
دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے
ہوا اون جو روشن چراغاں سے
چراغوں کے ترپولیے[1] جابجا
کوئی پان بیچے کھلونے کوئی
تماشا یو نکا جدا اک ہجوم
کڑکنا وہ نوبت کا باجوں کے ساتھ
براتی ادھر اور اُدھر جوق جوق
وہ کالے پیادے وہ اُنکی نفیر[2]
وہ آرائش اور گل کئی رنگ کے
وہ ابرک کی ٹٹی وہ مینے کے جھاڑ
دو رستہ برابر برابر وہ تخت
وہ رنگیں کنول اور وہ شمع و چراغ
جہانتک نظر آوے اُنکی قطارہ
اناروں کا دغنا بھچیپے کا زور
اُڑایا ستاروں کو جو آگ نے
وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار
دُھواں چھپ گیا نور ہیں نور ہو

کہ ہو سبزۂ مینا جنھو نپر نثار
تپنگے خوشی سے غزلخواں ہوئے
پڑھے شعر نوری کے دیوان سے
اور انمیں وہ بازاریوں کی صدا
کوئی دال موٹھ اور سلونے کوئی
تپنگے کریں جوں چراغوں پہ دھوم
گرجنا وہ دھونسوں کا دھوں دھوں کے ساتھ
وہ آواز قرنا[3] اور آواز بوق
کہ تا چرخ پہونچے صدا اُنکی چیر
وہ ہاتھی کہ دو دیو تھے جنگ کے
کہے تو کہ تنکے کی راد جھل پہاڑ
کسی پر کنول اور کسی پر درخت
کھلے جسطرح لالۂ نور باغ
طلسمات کی سی ہوا پر بہار
ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور
تو ہاتھی لگے بن کو پھر بھاگنے
ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار
سیاہی اُڑی شب کی کافور ہو

[1] ترپولیا۔ تین در کے بنائے ہوئے دروازے [3] قرنا۔ بوق۔ باجوں کے نام ترئی وغیرہ
[2] نفیر۔ آواز۔

سراسر وہ ہر طرف مشعل کے جھاڑ
کہ جوں نور کے مشتعل ہوں پہاڑ

زری پوش سردار سب یکدگر (ن سرسبز)
پھریں برق کیطرح ادھر اُدھر

کہے تو کہ نزدیک اور دور سے
زمین و زماں بھر گیا نور سے

جب آئی وہ دولہن کے گھر پر برات
کہوں وانکے عالم کی کیا تجھسے بات

ہوا وانکی صحبت کی رشک بہشت
دھرے لخلخے گرد عنبر سرشت

کھڑے بادلونکے وہ خیمے بلند
کریں عالم نور جسکو پسند

عجب مسند اک جگمگی اور فرش
تمامی کے عالم کا جو نور فرش

بلوریں دھرے شمعدان بیشمار
چڑھیں موم کی بتیاں چار چار

نئے رنگ کے اور نئے طور کے
دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے

تماشائیونکی یہ کثرت تھی بس
لگے ایک سے ایک سب پیش و پس

دوزانو زری پوش بیٹھے تمام
شراب خوشی کے کیے نوش جام

وہ دولھا کا مسند پہ جا بیٹھنا
برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا

طوائف کا اٹھنا اک انداز سے
دکھانا وہ آ صورتیں ناز سے

کروں راگ اور ناچ کا کیا بیاں
قدیمی کسی وقت کا سا سماں

وہ ارباب عشرت کا آپسمیں مل
جمانا کھرگٹ[۱] راگ کا دیکھے دل (ن کھرج)

وہ ایمن[۲] کی تانیں ادھر اور اُدھر (ن ادھر یاں)
ملے سُر طنبورونکے بایکدگر

اور اُس صف سے اک چھوکری کا نکل
جتانا ہنر اپنا پہلے پہل

اولٹنا دوپٹے کا دیدنکے تال
وہ بوٹا سا قد اور کھردے[۳] کی چال

۱؎ نام راگ کا۔ ۲؎ ایمن۔ ایک راگ کا نام۔

۳؎ کھردا۔ ایک قسم کا ناچ جو اکثر صبح کو ناچا جاتا ہے ۱۲

کبھی پر ملو میں دکھانی ادا
کہ جوں ٹوٹ کر بجلی ہووے ہوا

کبھی گت بھری[1] ناچنا ذوق سے
کہ تیورا کے عاشق گرے شوق سے

ادھر کی یہ گت اور ابکا سبھاؤ
ادھر اوٹ میں نایکہ کا بناؤ

کھڑے ہو کے وو گھونٹ حقے کے لے
چبا پان اور رنگ ہونٹھوں پہ دے

انگوٹھے کی لے سامنے آرسی
وہ صورت کو دیکھ اپنی گلزار سی

الٹ آستیں اور مہریکا چاک
نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک

بنا کنگھی اور کرکے ابرو درست
جھٹک دامن اور ہو کے چالاک و چست

دوپٹے کو سر پر الٹ اور سنبھل
یکایک وہ صف چیر آنا نکل

پکڑ کان اور گھنگروں کو اٹھا
پہن پانوں نہیں اپنے سر سے چھوا

ادھر اور ادھر رکھکے کاندھے پہ ہاتھ
چلی ناچتی آنا سنگت[2] کے ساتھ

فتح چند کے ہاتھ کی مورت ایک
لجائی ہوئی چاندسی صورت ایک

کبھی ناچنا اور گانا کبھی
رجھانا کبھی اور بتانا[3] کبھی

خوش آوازیاں اور گانا خیال[4]
دکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال

وہ شادیکی مجلس وہ گانیکا رنگ
وہ جی کی خوشی اور وہ دلکی ترنگ

وہ پھولونکے گہنے گنار ہیکے ہار
وہ بیٹھی ہوئی رنڈیونکی قطار

وہ بیڑونکے سیتے پڑے ہر طرف
غم دل جسے دیکھ ہو برطرف

ادھر کا تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ
محل میں ادھر گھوڑیاں[6] اور سہاگ

وہ گہر یسی شادی مبارک وہ ڈھول
وہ ٹونے[5] سلونے وہ میٹھے سے بول

۱ گت بھری ایک ناچ کا نام ۲ سنگت۔ سفردائی۔ ساز ندے ۳ بتانا۔ بھاؤ بتانا ۴ خیال ایک راگ ۱۲
۵ ٹونے سلونے۔ ایک قسم کے گیت جو مراثنیں شادی میں گاتی ہیں اور وہ فحش بھی ہوتے ہیں ۱۲ ۶ گھوڑیاں ایک قسم کا گیت جو عورتیں شادی و بیاہ میں گاتی ہیں ۱۲

اُتر نیگی واں سمدھنوں نکی پھبن کھلیں پھول جیسے چمن در چمن

گلوں میں نہانا وہ ہنس ہنس کے بار ٹاسٹ وہ پھولوں کی جھڑیوں کی مار

دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کے چاؤ

قہاقے[4] ہنسی شور و غل تالیاں سہانی سہانی نئی گالیاں

غرض کیا لکھوں تاب مجھمیں نہیں نہ دیکھے گا عالم کوئی یہ کہیں

داستان نکاح ہونا بینظیر کا ساتھ بدر منیر کے اور شادی نجم النسا کی پریزاد سے اور رخصت ہونا اُن کا یہیں

چھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا مجھے بدلے اب مے کے شربت پلا

کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں کہ پھر ہیں گلے کا ترے ہار ہوں

ہوا جب[1] نکاح اور بٹے ہار پان پلا سکو شربت دیے خاصدان

اُٹھا پھر تو نوشاہ بعد از نکاح محل میں بلانیکی ٹھہری صلاح

چلا یوں وہ دولہا دولھن کیطرف اُڑے جیسے بلبل چمن کی طرف

وہانتک بہو بجتے ہوئے کیا کہوں ہوئے ٹوٹکے[2] لاکھ بہر شگون

ہوا لیکن اُس وقت دونا مزا کہ دولہا دولھن جب ہوئے ایکجا

عروسی وہ گہنا وہ سوہے[3] لباس وہ مہندی سوہانی وہ پھولوں کی باس

ملا سُرخ جوڑے پہ عطر سہاگ کھلے ملکے آپسمیں دونوں کے بھاگ

[1] بعض جگہ نکاح کے بعد ہار پان تقسیم ہوتے ہیں اور حاضرین کو شربت پلانے کی رسم ہے ۱۲

[2] ٹوٹکا۔ ایک قسم کا سحر۔ جنتر منتر [3] سوہا۔ سُرخ ۱۲ [4] قہاقے یعنی قہقہے ۱۲

دکھا مصحف[1] اور آرسی کو نکال
دوپٹہ بیچ میں سر پہ آنچل کو ڈال

تھا وصل اسطرح کا دھیا نمیں
خدا نے کیا آن کی آن میں

عجب قدرتِ حق نمایاں ہوئی
جسے آرسی دیکھ حیران ہوئی

وہ جلوے[3] کا ہونا وہ شادی کی دھوم
وہ آپسمیں دولہا دلہن کی رسوم

کسی نے پسائی سر[4] و کج آنکر
کوئی گالیاں دیگئی جانکر

کسی کوئی دال گال سے کچھ لگا
گئی کوئی دلہن کی جوتی چھپا

وہ شیریں جو بیٹھی تھی شیریں بنی
بنات[2] اسکی چنتے بنے کو بنی

چنائی نبات اسکو اس گھات سے
کہ ڈھکا[5] دیا ہر گھڑی بات سے

زبس دل تو تھا اسکا ہر جا پہ بند
سبھی جائے اسنے چنی کر پسند

اٹھائی ڈلی اسکی آنکھوں سے یوں
کریں نوش بادام شیریں کو جوں

ڈلی وہ جو ہونٹھوں کی تھی لب ملی
وہ مصری کی منھ سے اٹھائی ڈلی

کمر سے اٹھائی ڈلی اس طرح
کہ ہاں ہوں نہیں کی نہیں جسطرح

ذرا پاؤں پڑ کے اٹھانے اڑا
نہیں اور ہاں کا عجب غل پڑا

یہ ظاہر کی تکرار تھی بار بار
وگرنہ دل اس پانو پر تھا نثار

عجب طرح کی رنگ رلیاں ہوئیں
کہ باتیں وہ مصری کی ڈلیاں ہوئیں

وہ سب ہو چکی جبکہ رسم و رسوم
سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم

سحر کا وہ ہونا وہ ٹونیکا وقت
وہ دولہن کی رخصت وہ رونیکا وقت

کھڑے سبکا لاچار منھ دیکھنا
کہ یارب یہ کیا ہے جہاں بیکھنا[6]

[1] آرسی مصحف شادی کی ایک رسم جو مشہور ہے ١٢ [2] بنات چنوانا، دولہن کے کل اعضا پر مصری کی ڈلیاں رکھتے ہیں دولہا خود کھول جاتی ہیں ١٢ [3] جلوا، وداع کے روز دولہا دلہن کو اپنے سامنے بٹھا کر آرسی مصحف دکھانا ١٢ [4] سر کج پسانا، یہ بھی ایک شادی کی رسم ہے ١٢ [5] ڈھکانا، جان جان کر ترسانا ١٢ [6] بیکھنا، بری بات ١٢

وہ دُلہن کا رو رو کے ہونا جدا
وہ ماں باپ کا اور رونا جدا

نکلتے وہ جانا محل سے جہیز
کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز

یہاں موت ہی اہل عرفان کو
کہ جانا ہی اکدن یو نہیں جان کو

وہ جو دردمندی کے ہیں آشنا
وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

وہ دولہا کا دُلہن کو گودی اُٹھا
بٹھانا محافے میں آخر کو لا

چلے لیکے چنڈول[۱] جسدم کہار
کیا دو طرف سے زر اُسپر نثار

کھڑے تھے جو دال چشم کو تر کیے
سو موتی اُنھوں نے نچھاور کیے

اِدھر اور اُدھر اپنے سہرے کو چیر
وہ اک چاند سا منھ دکھا بے نظیر

سوار اپنے گھوڑے پہ ہو کر شتاب
کہ جوں صبح ہووے بلند آفتاب

دکھاتا ہوا حشمت و عظمِ شان
لیے ساتھ ساتھ اپنے نوبت نشان

وہ پیچھے تو چنڈول میں رشک ماہ
اور آگے وہ خورشید عالم پناہ

پھرا گھر کو اپنے قدم با قدم
سواری سے گھر میں وہ اُترا صنم

غرض اسطرح جب وہ دُلہن کو بیاہ
لے آیا جہاں اُسکی تھی عیش گاہ

ہوئی وہ جو ہوتی ہی رسم و رسوم
کہ ظاہر میں تھی یہ بھی درکار دھوم

اُٹھایا اِسی دھوم میں لگتے[۲] ہاتھ
پری زاد کا بیاہ جو تھی کے ساتھ

وہ نجم النسا تھی جو دخت وزیر
گیا اُسکے والد کنے بے نظیر

کہا باپ کو اُسکے اے خیر خواہ
مرا بھائی ہی ایک فیروز شاہ

سو میں تجھسے رکھتا ہوں اک التجا
کہ تو اُسکو فرزندی میں اپنی لا

غرض ہر طرح کر رضا مند اُستے
لیا حال پر اپنے پابند اُستے

۱ چنڈول - ایک سواری جسے کہار وغیرہ اُٹھاتے ہیں سکھپال ۲ یعنی سلسلہ جھیڑا

پری زاد تھا وہ جو فیروز شاہ	دیا اُسکو نجم النسا سے بیاہ
اُسی دھوم سے اور اُسی فوج سے	اُسی شان سے اور اُسی اوج سے
وہی سب تجمل رہی سب رسوم	ہوئی تھی جو کچھ بیاہ میں اُسکے دھوم
دقیقہ نچھوڑا کسی بات میں	برابر رہی بجمل و ذرات میں
اسی طرح اُسکو نباہا غرض	جو کچھ قول تھا سو نباہا غرض
خدا راست لایا اُنھوں کے جو کام	بر آئے دونوں کے مطالب تمام
ہوئیں متصل یہ جو دو شادیاں	سیں ایک جا چار آبادیاں
پھرے دن تو اپنے وطن کو پھرے	وہ آشفتہ بلبل چمن کو پھرے
خوشی سے لیے حرمت و جان و مال	چلے شہر کو اپنے وہ حال[۱] حال
وہ نجم النسا اور فیروز شاہ	فلک پر سے ہو مثل خورشید و ماہ
رضا اُنسے لیکر اُسی آن میں	گئے شاد و خرم پرستان میں
یہ اقرار چلتے ہوئے کر گئے	کہ گو تم اُدھر اور ہم ادھر گئے
تر اس غم سے مت ہو جیو سینہ ریش	کہ ہم تمسے ملتے رہینگے ہمیش
تسلی وہ دیکر اُدھر کو چلے	یہ ادھر لیے اپنا لشکر چلے

ز داستان بینظیر کی بدر منیر کو اپنے وطن لیجانے اور ماں باپ سے ملاقات کرنے میں

پلا ساقیا آخری ایک جام	کہ ہوتی ہے بس یہ کہانی تمام

[۱] جلد جلد۔

وہ نزدیک پہونچے جو اس شہر کے — گیا پاس جا خیمہ اک نہر کے
کیا جبکہ خلقت نے تفتیش حال — اور آنکھوں سے دیکھا وہ بدر کمال
پڑا شہر میں یک بیک پھر یہ غل — کہ غائب ہوا تھا سو آیا وہ گل
خبر یہ ہوئی جبکہ ماں باپ کو — گیا گم انھوں نے وہیں آپ کو
زبس دل تو تھا یاس ہی سے بھرا — یہ سن ہاتھ پانوں گئے تھرتھرا
لگے رونے آپسمیں زار و نزار — کہا ہائے ہمکو نہیں اعتبار
ملا دینگے ہم سے ہمارا حبیب — یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب
یہ ہوگا کوئی دشمن ملک و مال — سو میں آپ ہی ہوں گرفتار حال
کوئی اسکا وارث تو آخر نہیں — وہی لیکے جاوے یہ جھگڑا کہیں
کہا سب نے صاحب چلو تو سہی — یہ بیٹا تمھارا وہی ہے وہی
مکرر سنا جبکہ بیٹے کا ناؤں — چلا پھر تو روتا ہوا ننگے پاؤں
وہ آتا تھا جیسے کہ بیٹا ادھر — پڑی باپ پر جو یکایک نظر
جو ہیں اپنے کنبہ کو دیکھا رواں — چلا سر کے بل بےنظیر جہاں
گرا پانوئیں پر کہہ کے یہ باپ کے — خدا نے دکھائے قدم آپ کے
سنی یہ صدا جو ہیں اس ماہ کی — تو اس غم رسیدہ نے اک آہ کی
اٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا — لپٹ کے گھڑی دو تلک خوب سا
یہ رویا یہ رویا کہ غش کر چلا — سنبھلے تو کہ آنسو کا لشکر چلا
ملے پھر تو آپسمیں وہ خوب سے — کہ یوسف ملے جیسے یعقوب سے
وہ گل گل شگفتہ ہوا گل کیطرح — یہ گل کیطرح اور وہ بلبل کیطرح
ہوے شاد و خرم صغیر و کبیر — چلے لیکے نذریں امیر و وزیر

مے عیش سے سبکو مستی ہوئی ـــ نئے سر سے آباد بستی ہوئی
بڑی دھوم سے اور بڑی آن سے ـــ بجاتے ہوئے نوبتیں شان سے
وہ پھولا جو تھا ہجر کے داغ میں ـــ ہوئے جاکے داخل اُسی باغ میں
زنانی سواری اُترواکے ساتھ ـــ پکڑ اس گل نوشگفتہ کا ہاتھ
درآمد ہوا گھر میں سرو رواں ـــ لیے ساتھ اپنے وہ غنچہ دہاں
کہ اتنے میں آگے نظر جو پڑی ـــ تو دیکھا کہ ماں راہ میں ہے کھڑی
بہی چشم سے آنسوؤں کی قطار ـــ گرا ماں کے پاؤں پہ بے اختیار
وہ ماں خوب بیٹے کے لگ کر گلے ـــ یہ روئی کہ آنسو کے نالے چلے
ہوا اور بیٹے کو چھاتی لگا ـــ وہ دونوں کے دو ہاتھ باہم ملا
ہوئی جان اور جی سے اُنپر نثار ـــ پیا پانی اُن دونو پر وار وار
جگر پر جو تھے درد اور غم کے داغ ـــ بجھے وصل سے ہجر کے وہ چراغ
سب آپسمیں رہنے لگے مل مِلا ـــ پھر آئے چمن میں وہ گل کھلکھلا
وہ آنکھیں جو اندھی تھیں روشن ہوئیں ـــ زمینیں جو تھیں خشک گلشن ہوئیں
زبس باپ ماں کو تھی سہرے کی چاہ ـــ دوبارہ اُنھوں نے کیا اُسکا بیاہ
لکھوں گر میں اُس بیاہ کی دھوم دھام ـــ تو پھر یہ کہانی نہ ہوئے تمام
بنا اُنکی تقدیر کا جو بناؤ ـــ نکالے اُنھوں نے یہ سب دل کے چاؤ[۱]
وہ جیسی کہ اس باغ میں تھی خزاں ـــ لیے آگے پھر اُسمیں سب گلرخاں
محل میں عجائب ہوئے چہچہے ـــ وہ مرجھائے گل پھر ہوئے لہلہے
ہوا شہر پر فضل پروردگار ـــ وہی شاہزادہ وہی شہریار

۱؎ چاؤ: ارمان ۱۲

وہی لوگ اور وہ ہی چرچے تمام   وہی ناز و انداز کے اپنے کام

وہی بلبلیں اور وہی بوستاں   شگفتہ گل و مجمع دوستاں

اُنھونکے جہانمیں پھرے جیسے دن   ہمارے تمھارے پھریں ویسے دن

ملیں سبکے بچھڑے الٰہی تمام   بحق محمد علیہ السلام

ہوے جیسے وہ شاد ہوں شاد ہم   رہیں شہر میں اپنے آباد ہم

رہے شاد نواب عالیجناب   کہ ہے آصف الدولہ جسکا خطاب

خوشی اُسکی ہو سرد باغ مراد   رہے روشن اُسکا چراغ مراد

بحق حسینؑ و امام حسنؑ   رہوں شاد میں بھی غلام حسن

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا   کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا

زبس عمر کی اس کہانی میں صرف   تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف

جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر   تب ایسے ہوے ہیں سخن بینظیر

نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی   مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی

نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں   نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیاں

رہیگا جہانمیں مرا اس سے نام   کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام

ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا   تب اسطرح رنگیں یہ مضموں کیا

اگر واقعی غور ٹک کیجیے   صلہ اسکا کم ہے جو کچھ دیجیے

غرض جسنے اسکو سُنا یہ کہا   حسن آفریں مرحبا مرحبا

جو منصف سُنینگے کہینگے سبھی   نہ ایسی ہوئی ہے نہوگی کبھی

مرے ایک مشفق ہیں مرزا قتیل   کہ ہیں شاہراہ سخن کے دلیل

سُنی مثنوی جب یہ مجھسے تمام   دیا اُسکی تاریخ کو انتظام

زبس شعر کہتے ہیں وہ فارسی
ہر اک شعر اُنکا ہی جوں آرسی
اُنھوں نے شتابی اُٹھا کر قلم
یہ تاریخ کی فارسی میں رقم

قطعۂ تاریخ طبع زاد مرزا قتیل

بہ تفتیش تاریخ این مثنوی
کہ گفتش حسن شاعر دہلوی
م غوطہ در بحر فکر رسا
کہ آرم بکف گوہر مدعا
بگوشم ز ہاتف رسید این ندا
بریں مثنوی باد ہر دل فدا
۱۱۹۹ھ

قطعۂ تاریخ طبع زاد مصحفی

میاں مصحفی کو جو بھایا یہ طور
اُنھوں نے بھی کی فکر از راہ غور
کہی اسکی تاریخ یوں بر محل
یہ تبخانۂ چین ہے بے بدل
۱۱۹۹ھ

تاریخ فخر الدین ماہر کی

سنی جبکہ ماہر نے یہ مثنوی
تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا وہیں پاکر طرح
ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح
۱۱۹۹ھ

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ کہ یہ مثنوی سحر البیان معروف بہ مثنوی میر حسن جسکو میر حسن دہلوی نے زمانہ نواب آصف الدولہ بہادر میں تصنیف کیا تھا اس مرتبہ مختلف قدیم و مستند نسخوں سے مقابلہ کرکے باہتمام کیسر داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ بماہ ستمبر ۱۹۴۱ء بارہوین بار طبع ہوکر ہدیہ ناظرین باتمکین ہوئی۔

(مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

گلزار نسیم کا نیا ایڈیشن

مثنوی گلزار نسیم مختلف پریسون میں متعدد بار طبع ہوئی اور خود نول کشور پریس سے بھی متعدد مرتبہ شایع ہوئی۔ لیکن اسپر کوئی خاص توجہ نہیں ہوئی مگر اس مرتبہ مطبع ہذا میں نہایت صحت کے ساتھ ۲۰×۳۰ پیمانہ پر چھاپی گئی ہے اور اُسکے مشکل الفاظ و محاورات کے معنے بتاتے ہوئے اکثر جگہ اُسکے صنایع بدایع پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اول میں نسیم کے سوانح زندگی پر ایک مختصر سی بحث کر کے ایک جامع مقدمہ لکھا گیا ہے جسکی وجہ سے طلبا کے لئے بھی یہ نہایت ہی کارآمد ثابت ہوگی اور شایقین بھی اسے ایک بہتر ایڈیشن محسوس فرمائینگے۔ صحت کاغذ کی عمدگی و چھپائی وغیرہ کا بھی خصوصیت سے خیال رکھا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

المشتہر

منیجر نول کشور پریس صیغۂ بکڈپو لکھنؤ